

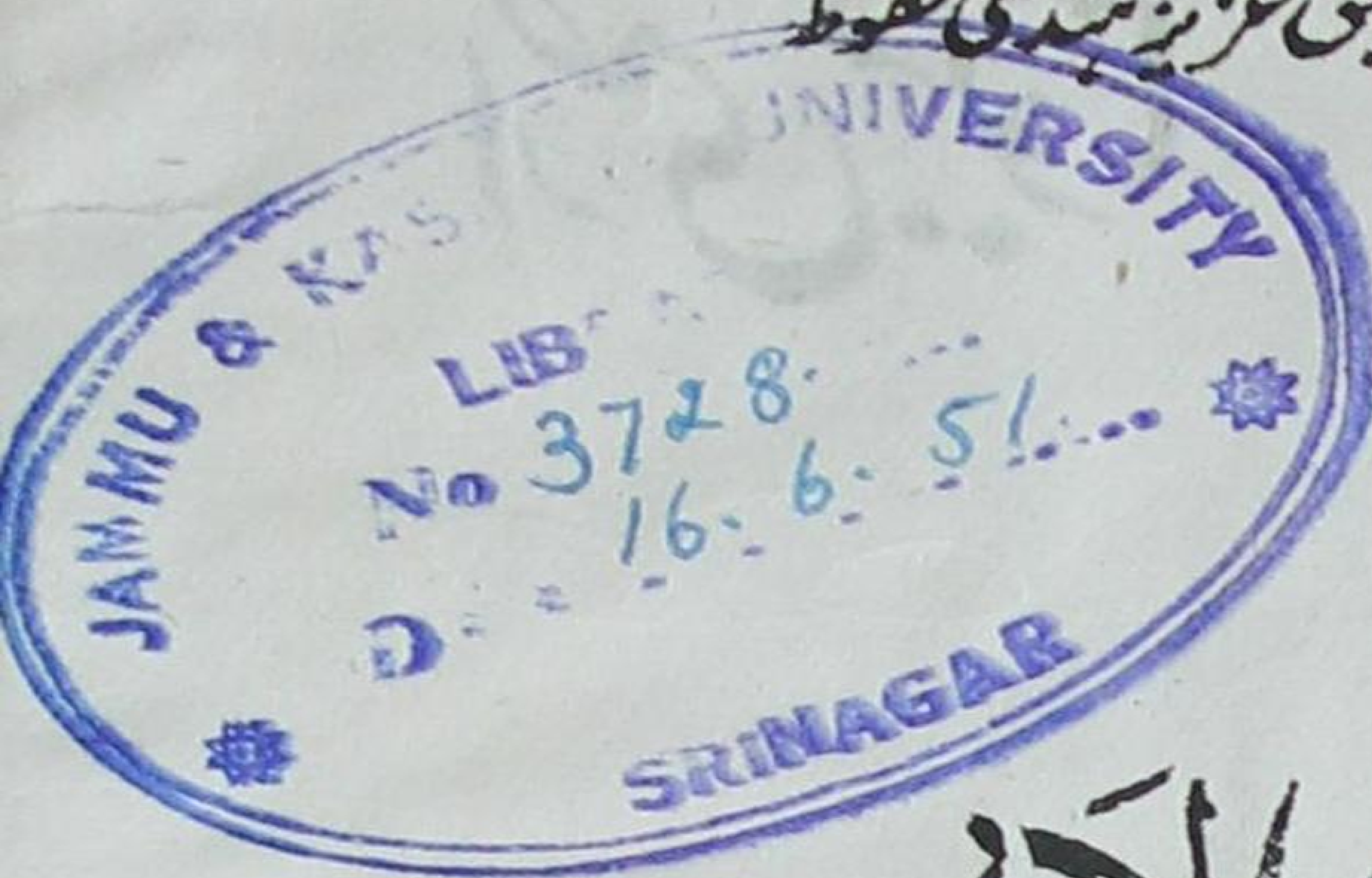
ارضی دیوتا

خلیل جبران



بقلم

سید بشیر ہندی



محلِ اردو
لاہور

سول ایجنٹ

ادارہ ادبیات نو لاہور
۵۸ ٹمپل روڈ

قیمت
عہ

ارضی دیوتا

خلیل جبران

ڈوبتے ہوئے سورج کے آخری پیغام کے نام۔

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام سید بشیر ہندی
پرنٹر و پبلشر چھپا کر اردو محل ۵۱ ٹمپل روڈ لاہور سے شائع
ہوئی

اگنی دیوتا

رامو نے دوسرے کسانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا "سرکار اس دفعہ تو ربیع کی ساری فصل تباہ ہو گئی ہے۔ اولوں نے وہ زور باندھا کہ گیہوں کی ساری بالیں زمین پر آ رہیں۔ سرکار یقین مانیئے۔ ہمیں اتنا بھی گیہوں نہیں مل سکا۔ جس سے دو چار مہینے تک ہماری بری بھلی گزر ہو سکے۔ مالیہ اور لگان ادا کرنے کے لئے تو اب ہمارے پاس کچھ نہیں۔"

چندر کانت نے بڑی متانت سے کہا "... بھئی مجھے تم سے پوری پوری ہمدردی ہے۔ مگر اولوں اور بارش کو روکنا تو انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

چندر کانت کا کارندہ ہیم راج اب تو ضبط نہ کر سکا اور بولا "سرکار ان سب نے حرام خوری پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ہر سال کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر لگان میں چھوٹ لے لیتے ہیں۔"

چندر کانت نے اس کی بات کاٹتے ہوئے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔ "ارے بھئی کونسا بہانہ بنایا ہے انھوں نے۔ کیا یہ صحیح نہیں

کہ اس سال اولوں سے گیہوں کی فصل کو سخت نقصان پہنچا ہے۔"

ہیمراج نے کچھ دھیمی آواز میں کہا، "ہاں اس دفعہ تو واقعی گیہوں کی فصل کو نقصان پہنچا ہے۔ مگر یہ تو ہمیشہ اسی قسم کے بہانے بنانے کے عادی ہو چکے ہیں۔"

رامو نے معذرت کرتے ہوئے کہا، "چودھری ہیمراج جی پرماتما جانتے اس دفعہ سارے کسانوں کی حالت پتلی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس سال ہماری اپنی گذر بھی ہو سکے گی۔"

جیندر کانت نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا، "لیکن یہ بھی تو بتاؤ میں کیا سیوا کر سکتا ہوں۔"

"سرکار اس دفعہ لگان معاف کر دیجیے۔"

"بہت اچھا کر دیا اور؟"

"سرکار مالیہ تو حکومت کو ادا کرنا ہے وہ جیسا کیسی ہوگا۔ ہم اپنی عورتوں کے زیور فروخت کر کے بھی ادا کر دیں گے کیونکہ حکومت تو ہمیں مالیہ معاف کرنے سے رہی۔"

"مالیہ بھی میں ادا کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ مالیہ ادا کرنے کے لئے اپنی پتنیوں اور بیٹیوں کے زیور بیچیں۔ اب بھی آپ لوگوں میں ایسے ..... بڑے بوڑھے موجود ہیں جنہوں نے مجھے گود میں کھلایا ہے میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ مالیہ بھی میری طرف سے ادا کیا جائے گا۔ اور اگر کسی کے یہاں گیہوں کی کمی ہوگی تو وہ اسے گودام سے مفت مل جائے گا۔"

یہ سن کر کسانوں نے خوشی سے سچودھری چندر کانت کی جے کا
نعرہ لگایا۔
دامو نے خوشی کے لہجے میں کہا "سرکار آپ نے ہم لوگوں پر اتنا
بڑا احسان کیا ہے کہ ہم کبھی نہیں بھولیں گے بھگوان آپ کو سکھی رکھیں
ہمیں یہ یقین ہے کہ آپ کے شریر میں چکرورتی مہاراجہ ہریش چندر کی آتما موجود
ہے ورنہ اس کلجگ میں اتنا نیک کام کون کر سکتا ہے"۔
یہ سنکر چندر کانت کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اور بولا "ارے بھئی مجھے
کیوں اتنا شرمندہ کرتے ہو۔ سچ پوچھو تو تمھاری محنت کا آدھے سے
زیادہ حصہ میں کھا جاتا ہوں۔ اور تم مجھے چکرورتی مہاراجہ ہریش چندر
کہہ رہے ہو"۔
رامو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "سرکار آپ ایسے خوشامد
نہ سمجھئے، ہم آپ کو ایسا ہی مانتے ہیں"۔
کچھ دیر تک چندر کانت بے تکلفی سے کسانوں سے باتیں کرتا
رہا پھر ان لوگوں نے اجازت لی اور گھروں کو چل دیئے۔
جب تک کسان بیٹھے رہے۔ ہیراج نے کوئی بات نہیں کی
اور چپ چاپ بیٹھا رہا وہ سمجھ رہا تھا کہ زمیندار نے کسانوں کی اتنی
بڑی مدد کر کے ایک غلطی کی ہے بات اصل میں یہ ہے کہ ہیراج کچھ اچھا
آدمی نہیں تھا۔ وہ بھی اسی گاؤں کا رہنے والا ایک غریب کسان تھا۔
مگر وہ پڑھا لکھا تھا۔ اس لئے چندر کانت نے اسے اپنا کارندہ رکھ
لیا تھا۔ وہی کسانوں سے لگان وصول کرتا۔ مالیہ جمع کرتا۔ اور کسانوں کو لگان
پر زمین دیتا۔ چندر کانت اس کے کام میں بالکل مداخلت نہیں کرتا تھا۔

سارے کام اسنے اسی پر چھوڑ رکھے تھے۔ وہ اسے ایک وفادار ملازم خیال کرتا تھا، مگر اسے علم نہیں تھا کہ وہ فطرتاً برا آدمی ہے اگر وہ شریف ہوتا تو اپنے ہی آدمیوں کی کیوں مخالفت کرتا اور کیوں زمیندار کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا کہ کسانوں کو لگان معاف نہ کیا جائے

ہیراج خود بھی کسان تھا۔ گاؤں کے کسانوں سے اس کے رشتے ناطے بھی تھے مگر جب سے وہ زمیندار کا کارندہ مقرر ہوا تھا کسی کو نگاہ خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ وہ سب سے بدسلوکی کرتا۔ مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کے سامنے دم مار سکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ زمیندار کا منہ چڑھا ملازم ہے اس کا بیٹا راجیندر صرف تین مہینے کا تھا کہ اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔

چنانچہ اس بچہ کو زمیندار کی بیوی اوشارانی نے پالا تھا اس کا اپنا اکلوتا بیٹا روی بھی راجیندر کی عمر کا ہی تھا۔ اس نے دونوں کو دودھ پلایا اور دونوں میں کوئی فرق نہیں برتا۔ وہ دونوں کو اپنے ایک سے بیٹے خیال کرتی۔ اسطرح سے ہیراج کا زمیندار سے جو ناطہ قائم ہو گیا تھا۔ اس نے بھی اس کے رعب و دبدبے میں اضافہ کر دیا تھا اور کوئی کسان اس کے سامنے ایسی ویسی بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

جب سارے کسان اٹھ کر چل دیئے تو ہیراج نے کچھ دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"حضور! ویسے تو آپ نے بڑی نیکی کی ہے۔ مگر یہ کمین اور کم ظرف لوگ ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی خوبی ہے جو ان کو اس طرح کی رعائتوں کا حقدار بنا دیتی ہے۔ ورنہ آپ نے ان پر کوئی احسان نہیں کیا۔"

چندر کانت نے حیرت انگیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
"مگر انھوں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی انھوں نے تو شکریہ ادا کیا ہے۔"
"سرکار! یہ سب رسمی باتیں ہیں۔ اب جاکر خوب ہنسیں گے۔ کہ زمیندار کو خوب بنایا ہے میرے خیال میں ان سے بے جا رعایت کی گئی ہے"
چندر کانت نے قدرے خشمناک لہجہ میں کہا "ہیراج دیکھو تم بھی انہی لوگوں میں سے ہو۔ یہ سارے تمہارے ہی رشتہ دار تھے۔ حیرت ہے کہ تم ان کی مخالفت کر رہے ہو"
"ہاں! سرکار آپ صحیح کہتے ہیں۔ مگر میں نے آپ کا نمک کھایا ہے میں نہیں چاہوں گا کہ آپ کا کچھ نقصان ہو۔ اگر ایسا نہ کروں تو نمک حرام کہلاؤں گا۔"
"مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اپنی نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے دوسروں سے زیادتی کرو" چندر کانت کا لہجہ اور زیادہ تیز ہوگیا وہ ہیراج کی خوشامدانہ فطرت کو خوب سمجھتا تھا۔ وہ عام زمینداروں کی طرح کوئی معمولی پڑھا لکھا آدمی نہیں تھا بلکہ ایک زراعتی کالج کا گریجوئیٹ تھا چنانچہ اس نے کسانوں کو کھیتی کے جدید طریقوں کی تربیت دی جس سے نہ صرف اسے بلکہ کسانوں کو بھی کافی فائدہ پہنچا تھا۔ اب اس قسم کا روشن دماغ اور تعلیم یافتہ انسان ہیراج کی طرح کے معمولی خواندہ لوگوں سے کیسے دب کا کھا سکتا تھا۔ وہ ہیراج کو خوب اچھی طرح سے سمجھتا تھا۔ مگر اس کا خیال تھا

کہ اس میں اسکا کوئی تصور نہیں ہے وہ جس خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس سے اس سے زیادہ اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی۔ نہ لیے اس جمہوریت کے دور میں یہی کہا جاتا ہے کہ انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مگر چندر کانت کے عقیدہ کے مطابق یہ بات غلط تھی۔ نہ صرف خون بلکہ تربیت انسان کو انسان سے الگ کر دیتی ہے جس آدمی کی رگوں میں کسی اچھے خاندان کا خون ہو وہ اس آدمی سے یقیناً بہتر ہے جو کمین خاندان سے تعلق رکھتا ہے یہ بات بھی اس کے پیش نظر تھی کہ چونکہ اچھے خاندان میں کمین خاندانوں کی نسبت تربیت کے اچھے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔ اس لئے شریف خاندانوں کے افراد کمین خاندانوں کے افراد سے اور بھی اچھے ثابت ہوتے ہیں۔

چندر کانت ایک تعلیم یافتہ انسان تھا۔ مگر وہ خون اور تربیت کے اثرات کو مانتا تھا۔ وہ اس بات کو غلط مانتا تھا کہ دو مختلف ماحولوں میں رہنے والے افراد کردار و اخلاق کے لحاظ سے یکساں ہو سکتے ہیں۔ ویدک زمانے کے مشہور فلسفی اور قانون داں منوجی نے انسانی سماج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر۔ یہ تقسیم اس نے کردار اور اخلاق کی قدروں کو مد نظر رکھتے ہوئے کی تھی۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ جس حسن اخلاق کی توقع ایک برہمن یا کشتری سے ہو سکتی ہے وہ ایک ویش یا شودر سے نہیں ہو سکتی۔ چندر کانت ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن دماغ انسان ہوتے ہوئے بھی منوجی کے قاعدوں اور ضابطوں کو مانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سماج کی کمزوریوں سے بخوبی واقف تھا مگر اس سے باز رہ کر اس نے نہیں کرتا تھا کہ ایک شریف اور نجیب خاندان کے فرد

کی حیثیت سے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ جب اسنے غریب کسانوں
کی مدد کرنی چاہی اور ہیراج نے اس کی مخالفت کی تو اس کی کمینگی اور واضح
ہوگئی۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ جو شخص اپنی جاتی کے لوگوں کا وفادار نہیں ہو سکتا
وہ اس کا وفادار کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر اسے اس کے اعمال سے کوئی واسطہ
نہیں تھا وہ اپنے مقام سے نہیں گرنا چاہتا تھا۔

ہیراج نے جب چندر کانت سے کھری کھری سنیں تو پھر اس میں
مزید کہنے کی ہمت نہیں ہوئی اور منہ بسورتا ہوا وہاں سے چلدیا۔

چندر کانت اس کے بعد کھیتوں کو چلدیا۔ کسانوں کے بچے اور
عورتیں اولوں کی وجہ سے گری پڑی گیہوں کی بالوں کو اکٹھا کر رہے تھے
مگر بالیں پکنے سے پہلے اولے پڑے تھے۔ اس لئے ان میں ابھی اچھی
طرح دانے بھی نہیں پڑے تھے پھر بھی وہ ان کو جمع کر رہے تھے۔
چندر کانت کا دل رو رہا تھا کہ کسانوں کی سال بھر کی محنت بیکار ہو کر رہ
گئی ہے۔ اسنے کسانوں کو نہ صرف لگان معاف کر دیا تھا بلکہ مالیہ ادا کرنے
اور انہیں اپنے گودام سے گیہوں دینے کی بھی حامی بھر لی تھی۔ پھر بھی
جب وہ عورتوں اور بچوں کو گری پڑی بالیں جمع کرتے ہوئے دیکھتا تو اس
کے دل پہ چوٹ سی لگتی۔ وہ ایک بڑھیا عورت کے پاس سے گذرا اس
نے اپنی بالیں اپنی جھولی میں بھر رکھی تھیں وہ بولا

"موسی میں کچھ مدد کروں"

بڑھیا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "سرکار مجھے پاپی نہ بنایئے
ہمارا کام آپ کی سیوا کرنا ہے سیوا کرانا نہیں۔"

چندر کانت نے بڑے موذبانہ لہجے میں کہا "مگر تم میری موسی بھی

تو ہو۔ اور موسی کا مقام ماتا کے برابر ہوتا ہے۔"

یہ سن کر وہ عورت کھڑی ہو گئی، اور اس کی بلائیں لیتی ہوئی بولی۔ "ہاں سرکار میں آپ کی موسی ہوں۔ کیونکہ آپ ایسا مانتے ہیں۔ یہ آپ کی مہانتا ہے مری نہیں۔ مگر ہم لوگ اپنے استھان کو کیسے بھول جائیں ہمارا کام آپ کی سیوا کرنا ہی ہے۔"

چندر کانت نے اس کی بات کا کوئی جواب دیا اور بالیں چن چن کر اس کی جھولی میں ڈالنے لگا۔ بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ وہ بولی۔ بھگوان کی دیا ہے کہ ہمیں اتنا شریف مالک ملا ہے۔"

"موسی مالک مت کہو۔ بیٹا کہو۔"

"بہت اچھا بیٹے۔ میں آپ کو بیٹا ہی کہوں گی۔ مگر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکی ہوں۔ میں اپنے استھان کو کیسے بھول جاؤں۔"

چندر کانت بڑھیا سے باتیں کرتا رہا اور بالیں چن چن کر اس کی جھولی میں ڈالتا رہا۔ پھر اس نے جھولی اس کے سر پر رکھی اور واپس گاؤں چلا گیا۔ جب گھر پہنچا تو اوشا رانی نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا کہہ دیا تھا آپ نے ہیراج سے۔ وہ تو اچھا آدمی ہے۔"

چندر کانت نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اسے برا سمجھتا ہوں۔"

"کہہ رہا تھا سرکار نے کسانوں کیا میری سبکی کرادی۔

"میں نے تو نہیں کرائی۔ تم جانتی ہی ہو کہ ربیع کی فصل اولوں کی وجہ سے تباہ ہو گئی ہے۔ جب کسانوں کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں تو وہ لگان کہاں سے دیں گے۔ میں نے لگان معاف کر دیا ہے۔ وہ اس کے خلاف

تھا۔ میرے خیال میں یہ کوئی نامناسب بات نہیں تھی"

"یہی بات ذرا خوش اسلوبی سے کہی جا سکتی تھی۔ یعنی کسانوں کا لگان بھی معاف کر دیا جاتا اور ہیراج کی بات بھی رہ جاتی"

"یہ طریقہ اب تم مجھے بتا دو"

یہ سن کر اوشا رانی ہنس پڑی اور بولی "ویسے میں بھی یہ طریقہ نہیں جانتی۔ جب ہیراج کسانوں کی حرام خوری کا ذکر کر رہا تھا تو اس کے تھوڑی دیر بعد کرشنا کی ماں آ گئی بولی۔

"بی بی جی گیہوں کی فصل بالکل تباہ ہو گئی ہے۔ کھانے کے لئے گھر میں گیہوں نہیں ہے۔ میں نے اسی وقت دو من گیہوں تول کر اس کے حوالے کر دیئے۔ اور وہ اٹھا کر چل دی۔ اس سے ہیراج کو اور بھی صدمہ ہوا اور کچھ کہے سنے بغیر گھر سے چل دیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ مجھ سے بھی ناراض ہے"

یہ سنکر جیندر کانت نے بلند قہقہہ لگایا اور بولا۔ معلوم ہوتا ہے میری طرح تم بھی جوش میں آ گئیں۔ اگر تم خوش اسلوبی کا ثبوت دیتے ہوئے ہیراج کی بات رکھ جاتیں تو پھر مجھ پر اعتراض کر سکتی تھیں۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہے۔ کہ خود میاں فضیحت اوروں کو نصیحت" یعنی تم...
خود تو اس منشی ہیراج کے رعب و دبدبہ کو بحال نہ رکھ سکیں اور مجھ پر اعتراض کرنے بیٹھ گئیں۔

اس کے بعد دونوں میاں بیوی ہنسنے لگے اور فضا ان کے قہقہوں سے معمور ہو گئی۔

موضع جمال پور کے کسان اپنے زمیندار چندر کانت سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ وہ ایک بے غرض آدمی تھا۔ اور دوسروں کے کام آنا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ کسان اس کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار رہتے تھے۔ ہیراج سے وہ بد دل تھے کیونکہ وہ زمیندار کی خوشامد کرتا اور ان پر ناجائز رعب گانٹھتا رہتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ چند سال پہلے وہ ایک معمولی کسان تھا جب قسمت نے یاوری کی تو اس کے دن پھر گئے۔ مگر اس کے دل میں دوسروں کی بھلائی پیدا نہ ہو سکی جو ایک اچھے کھاتے پیتے انسان میں ہونی چاہیئے۔ اس کی خوبی صرف یہ تھی کہ وہ معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا۔ دوسرے سارے کسان ان پڑھ تھے زمیندار کو کسی معمولی پڑھے لکھے کارندہ کی ضرورت تھی۔ اس لئے اسے اسے ملازم رکھ لیا۔ وہ اپنے کام میں ہوشیار تھا۔ مگر چندر کانت کو اس کی خوشامد پسند نہ تھی اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی پر بلاوجہ سختی کرے۔ جب کسان شام کے وقت چوپال میں جمع ہوتے اور چندر کانت کا ذکر چھڑتا تو وہ کہتے کہ وہ ایک دیوتا آدمی ہے۔ مگر جب ہیراج کی بات چلتی تو وہ کہتے کہ بھگوان نے اپنے دیوتا پر ایک شیطان کو پہرہ دار مقرر کر رکھا ہے۔

اوشا رانی کا اپنا دائرہ عمل تھا۔ گاؤں کی عورتیں گھر کے کام کاج سے فارغ ہوتیں تو اپنے چرخے لے کر اس کے یہاں پہنچ جاتیں۔

ایک لمبے چوڑے ہال میں عورتوں کی محفل جمتی۔ چرخے بھی چلتے رہتے اور باتیں بھی جاری رہتیں۔ اوشارانی ان کی باتوں کو توجہ سے سنتی۔ گاؤں کی عورتیں کام اپنا کرتیں اور ناشتہ اوشارانی کے گھر کرتیں۔ اوشارانی روزانہ ان کے ناشتہ کا بندوبست کرتی۔ اور ایسا کرتے وقت وہ ایک قسم کی راحت محسوس کرتی۔ وہ ایک متمول گھرانے سے تعلق رکھتی تھی چندرکانت کی طرح وہ بھی بہت فیاض اور فراخدل تھی۔ اور غریبوں کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اس کا صرف ایک بیٹا روی تھا جس کی عمر ۲۰ سال تھی۔ وہ ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے دو بچے اور گود لے رکھے تھے۔ ایک تو ہیراج کا بیٹا تھا۔ وہ صرف چھ مہینہ کا تھا کہ اس کی ماں مر گئی۔ پھر اوشارانی نے اسے اپنا دودھ پلا کر پالا۔ وہ ہائی اسکول میں پڑھ رہا تھا اور روی کا ہم عمر تھا۔ اس کا نام راجندر تھا۔

اوشارانی نے ایک لڑکی بھی پال رکھی تھی۔ اسکا نام لتا تھا۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے اسے بھی اوشارانی نے بچپن ہی سے پالا تھا۔ اسے اوشارانی نے گھر پہ تعلیم دی اور وہ خاصی لکھ پڑھ گئی۔ اوشارانی ان دونوں بچوں کو اپنی اولاد سے زیادہ چاہتی تھی۔ اور روی میں اور ان میں کسی قسم کا فرق نہیں سمجھتی تھی۔ سب کو کھانے کے لئے ایک جیسا کھانا اور پہننے کے لئے ایک جیسے کپڑے ملتے۔

جب گاؤں کی کوئی عورت بیمار ہو جاتی یا کسی کا بچہ بیمار ہو جاتا تو اوشارانی خود اس کی دیکھ بھال کرتی اور اس کے علاج معالجہ کا بندوبست کرتی۔ مطلب یہ کہ نہ صرف اوشارانی بلکہ اس

کا شوہر چندر کانت گاؤں والوں کے ساتھ ان کی ہر خوشی غمی میں شریک
ہوتے ۔ گاؤں کے لوگ بھی ان سے اتنے مانوس ہو چکے تھے کہ ان
ہی کا کلمہ پڑھتے تھے ۔ وہ کوئی کام ان کے مشورہ بغیر نہیں کرتے تھے
یہاں تک کہ شادیاں اور رشتے ان دونوں میاں بیوی کے مشورے
سے طے پاتے ۔ بلکہ اس قسم کی تمام تقریبوں کے تمام مصارف چندر کانت
خود اپنی جیب سے ادا کرتا ۔

گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئیں اور روی تین مہینے کے لیے جمال پور
پہنچ گیا ۔ راجندر کا اسکول بھی گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے بند
ہو چکا تھا ۔ وہ بھی گھر میں موجود تھا ۔ چندر کانت اور اوشا اپنی دونوں
کو ایک سا خیال کرتے تھے ۔ مگر روی نہ صرف صورت کے لحاظ سے
بلکہ سیرت اور کردار کے لحاظ سے بھی راجندر سے کہیں اچھا تھا ۔ وہ
بی ۔ اے کے آخری سال میں تھا اور راجندر روی کا ہم عمر ہونے کے باوجود
ابھی ہائی اسکول کے چکر میں پھنسا تھا ۔ راجندر نے دو دفعہ میٹرک کا
امتحان دیا ۔ مگر دونوں مرتبہ فیل ہو گیا ۔ وہ نہ محنتی تھا اور نہ ذہین ۔ اب
تیسری مرتبہ بھی اس کے پاس ہونے کی کوئی توقع نہیں تھی ۔

اس کے برعکس روی نے اب تک تمام امتحانات امتیاز کے
ساتھ پاس کر لیے تھے ۔ اب بھی کالج میں روی کا نام طلباء کی فہرست میں
پہلے نمبر پر تھا ۔

اصل میں بات یہ ہے کہ فطری ذہانت کے ساتھ ساتھ اسے
پڑھنے کا بھی شوق بہت زیادہ تھا ۔

راجندر کند ذہن بھی تھا اور کھلنڈرا بھی ۔ صبح ناشتہ کرتا اور

چندر کانت کی بندوق لے کر شکار کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑتا۔ روی پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتا۔۔۔ جب اسے فرصت ہوتی، تو گاؤں والوں سے ملتا ملاتا۔ اور ان کے کام آتا۔ گاؤں کے لوگ جب یہ دیکھتے کہ دونوں بچے ایک ماحول میں پرورش پا رہے ہیں مگر اس کے باوجود اخلاق اور کردار کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں. تو وہ یہ کہنے سے نہ چوکتے کہ یہ سب خون کا اثر ہے۔ شریف کا بیٹا شریف ہوگا اور رذیل کا رذیل۔

روی نے اکثر مرتبہ گاؤں والوں کو اس طرح کے الفاظ کہتے سنا تھا اور میرا مان گیا تھا۔ وہ بھی ایک پڑھا لکھا اور روشن دماغ نوجوان تھا۔ وہ اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ انسانی اخلاق خون کی شرافت یا رذالت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اچھے اخلاق اچھی تربیت کی اور برے اخلاق بری تربیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ اس کی بھول تھی۔ اگر اس کا یہ کلیہ صحیح تھا تو پھر اس کے اور راجندر کے کرداروں میں اتنا فرق کیوں تھا۔ کیا دونوں کی یکساں تربیت نہیں ہوئی تھی۔ کیا روی کے والدین نے تعلیم و تربیت کے معاملہ میں ان دونوں میں کوئی امتیاز برتا تھا۔؟ اگر نہیں برتا تھا اور یقیناً نہیں برتا تھا تو پھر یہ بات کیوں ۔۔۔ صحیح نہیں ہے کہ اچھے اخلاق اچھے خون کا اور برے اخلاق برے خون کا نتیجہ ہوتے ہیں.

روی کو یہ بات شاید اس لئے بری لگتی تھی کہ وہ راجندر کو بہت زیادہ چاہتا تھا۔ چودہ پندرہ سال تک وہ اسے سگا بھائی خیال کرتا رہا۔ مگر جب اس نے گاؤں والوں سے سنا کہ وہ ہیراج کا بیٹا

کا بیٹا ہے تو اسنے اپنے والدین سے پوچھا۔ وہ اسے نہیں بتانا چاہتے تھے۔ مگر رومی کے اصرار پر انہیں لوگوں کی اس بات کی تصدیق کرنی پڑی۔ مگر اس کے باوجود رومی کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

لتا کے بارے میں بھی اسے کافی عرصہ بعد معلوم ہوا کہ وہ اس کی بہن نہیں ہے بلکہ ایک غریب کسان کی بیٹی ہے۔ اس کے ماں باپ دونوں بچپن ہی میں مر گئے تھے اور اوشا رانی نے اسے پرورش کیا تھا۔

رومی یہ جاننے کے باوجود کہ لتا اس کی بہن نہیں ہے اسے بہن ہی سمجھتا تھا۔ مگر ایک دن رومی کی موجودگی میں اوشا رانی نے لتا سے پیار کرتے ہوئے کہا کہ اب تو میری بیٹی جوان ہو گئی ہے اب تو اس کی شادی کر دینی چاہیئے۔

لتا نے جھینپتے ہوئے کہا "ماں جی ایسی باتیں نہ کیا کیجئے"

رومی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا "ہاں ہاں ماں جی اس کی شادی کر دیجئے"

اوشا رانی نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں بیٹا منگنی تو اسکی ہو چکی ہے صرف شادی کرنا باقی ہے"

رومی نے اشتیاق آمیز نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا "ماں جی کہاں ہوئی ہے اس کی منگنی"

"اسی گاؤں میں"

"اسی گاؤں میں؟"

"ہاں ہاں اسی گاؤں اور اسی گھر میں"

یہ سن کر رومی بہت حیران ہوا وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ماں نے

نے کہا۔

"بیٹا میں اسے بہو بنا ڈالوں گی۔ اس کی منگنی میں تم سے کر چکی ہوں"

یہ سن کر ان کے چہرے پہ حیا کی سرخی دوڑ گئی اور روی نے
شرم سے آنکھیں جھکا لیں۔ مگر اس دن کے بعد ایک دوسرے کے بارے
میں ان کا نقطۂ نظر بدل گیا۔ اور یہ ایک قدرتی بات ہے۔ روی کو ماں
کے اس انتخاب پہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ رتنا ایک حسین و
جمیل لڑکی تھی۔ موزوں قد۔ لمبے لمبے سنہری بال۔ چوڑی سی پیشانی۔
گورا رنگ، ستواں ناک۔ پتلے پتلے ہونٹ۔ تنگ دہانہ اور موٹی
موٹی نشیلی آنکھیں۔ اخلاق کے لحاظ سے بھی وہ بہت اچھی لڑکی تھی
جب سے وہ بڑی ہوئی تھی گھر کا سارا کام کاج کرتی تھی
گاؤں کی عورتیں یہ جانتی تھیں کہ وہ بھی ایک معمولی کسان
کی لڑکی ہے مگر اس کے پسندیدہ اخلاق کو دیکھ کر کوئی نہیں کہتا
تھی۔ کہ رذیل کی اولاد رذیل ۔۔۔ اور شریف کی اولاد شریف ہوتی ہے
روی کو اس کے ان تمام اوصاف کا علم تھا اسی لئے وہ اسے
چاہنے لگا تھا پہلے وہ اسے ایک عام لڑکی معلوم ہوتی۔ مگر اب وہ
اسے جنت کی حور دکھائی دینے لگی۔

رتنا کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی جب سے اس نے اپنی نانی
کی زبانی یہ سنا تھا کہ وہ روی کی منگیتر ہے۔۔۔ اسے روی سے بے پناہ
محبت ہو چکی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیوانہ وار چاہتے تھے۔
مگر ابھی تک کسی طرف سے اظہار محبت نہیں ہوا تھا۔

ایک دن صبح کے وقت روی اپنے کمرے میں بیٹھا ایک کتاب

کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ کہ لتا اندر داخل ہوئی، وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر لائی تھی۔ راجندر صبح سویرے ہی ناشتہ کر کے گشت کرنے کے لئے گھر سے جا چکا تھا۔ لتا نے تپائی پر چائے کی ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے تھوڑی سی انگریزی پڑھا دیجئے"

روی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں نوکری کرنے کا خیال ہے"

لتا نے روٹھنے کے انداز میں کہا۔ "نوکری کریں میرے دشمن مجھے نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا گھر میں کھانے کی کمی ہے"

"پھر انگریزی پڑھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی"

"کیا انگریزی صرف ملازمت کرنے کیلئے پڑھی جاتی ہے"

"ہاں"

"آپ بھی اسی مقصد سے انگریزی پڑھ رہے ہیں"

"ممکن ہے والدین کا یہی ارادہ ہو"

"یہ سنکر لتا کچھ لاجواب سی ہو گئی اور کچھ تامل کے بعد بولی "تو کیا کوئی علم حاصل کرنا محض ملازمت حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے"

"ہاں"

"پھر ماں جی نے مجھے اردو سندھی اور سنسکرت کی شکشا کیوں دی"

"اتنی تعلیم ایک گھریلو عورت کے لئے ہونی ہی چاہیئے"

"اور مرد کی"

"وہ اگر زیادہ پڑھ لکھ جائے تو کیا حرج ہے"

"اس قسم کا پڑھا لکھا مرد جاہل بیوی کو پسند کرے گا"

یہ سنتے ہی روی کی آنکھیں متبسم ہو گئیں۔ اور لتا نے اپنی آنکھیں ندامت سے جھکا لیں۔ وہ لتا کا مطلب سمجھ گیا۔ دونوں کافی دیر تک خاموش رہے۔

روی ناشتہ کر رہا تھا۔ اور لتا اس کے سامنے کھڑی تھی پھر اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا

" ہاں اگر ایک پڑھا لکھا مرد اپنی جاہل بیوی کو پسند کرے تو اس میں کیا حرج ہے "

" یہ سن کر لتا کو سخت غصہ آیا۔ اور بولی " حرج ورج کی بات چھوڑیئے۔ آپ صاف طور پہ بتایئے کہ کیا ایک تعلیم یافتہ مرد ایک جاہل اور ان پڑھ عورت کو پسند کر سکتا ہے "

" بھئی یہ تو مرد مرد پر منحصر ہے کچھ پسند کریں گے کچھ پسند نہیں کریں گے "

لتا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ " آپ کس قسم کے مرد ہیں "

اب روی لاجواب سا ہو گیا اور آئیں بائیں شائیں کرتا ہوا بولا

" تمھیں کس قسم کا مرد نظر آتا ہوں "

" اوپر سے تو بہت اچھے نظر آتے ہیں دل کا مجھے کچھ پتہ نہیں "

" اوہو اوپر اور دل کی بات چھوڑو۔ تم یہ بتاؤ کہ میں جاہل بیوی کو پسند کرنے والا مرد ہوں یا ناپسند کرنے والا "

" اس کا جواب آپ دے سکتے ہیں میں نہیں دے سکتی "

" میں جاہل بیوی کو بھی پسند کر سکتا ہوں "

" پھر مجھے انگریزی پڑھنے کی ضرورت نہیں "

یہ کہتے ہوئے لتا نے ناشتے کے برتن اٹھانے لگی۔ روی نے بڑے

اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے کہا
"پہلے ایک بات بتاؤ"
لتا نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کہیئے"

"یہ جو تم نے کہا تھا کہ اوپر سے تو آپ اچھے نظر آتے ہیں، مگر دل کا مجھے کچھ پتہ نہیں اس کا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب وطلب چھوڑیئے" اب جبکہ آپ نے یہ کہہ دیا کہ ہے کہ آپ ایک ان پڑھ اور جاہل بیوی سے کبھی نباہ کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صرف آپ کا ظاہر بلکہ باطن بھی خوبصورت ہے مجھے تو خوبصورت ہی نظر آتا ہے۔ ہاں اگر مجھ میں آپ کو کوئی ناپسندیدہ بات نظر آئی ہو تو دوسری بات ہے" یہ کہتے ہوئے لتا نے پھر ٹرے اٹھانے کی کوشش کی مگر روی نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بولا "شوشہ چھیڑ کر میدان سے بھاگ نکلنا کوئی مناسب بات نہیں لیکن مانو مجھے تم میں کوئی ناپسندیدہ بات نظر نہیں آئی"

اتنا سن کر لتا کی آنکھوں میں خوشی کے دیپ جل اٹھے وہ اتنی جذبات کے زیر اثر تھی کہ اس کے ہونٹوں نے کچھ کہنے سے انکار کر دیا۔ اس نے جھک کر روی کے پاؤں پکڑ لئے۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ "آپ میرے دیوتا ہیں۔ میں ساری عمر آپ کی پوجا کروں گی" یہ کہتے ہوئے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

روی کھل کھلا کر ہنس پڑا اور بولا "ارے کمال ہے تم نے رونا

شروع کر دیا ہے اگر تمہیں واقعی میرا میرا جیون ساتھی بننا منظور ہے تو یہ خوشی کی بات ہے تمہارے لئے بھی اور میرے لئے بھی۔ لیکن تم نے رونا کیوں شروع کر دیا۔ کیا میں نے اس رشتہ سے انکار کیا ہے"

لتا نے جلدی جلدی اپنے ڈوپٹہ سے آنسو پونچھے اور ندامت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں"

اب روی ضبط نہ کر سکا اس نے اس کی سیمیں کلائی ہاتھ میں لی اور اس کا حنائی ہاتھ چوم لیا۔ اس نے جذباتی آواز میں کہا

"لتا زندگی کے سفر میں تم مجھے اچھا ساتھی پاؤگی۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا یہ کہتے ہوئے روی نے لتا کو لپٹا لیا۔ لتا نے رضا کارانہ طور پر اپنا جسم اس کی گرفت میں دے دیا۔ اور کوئی مزاحمت نہیں کی۔

روی اور لتا ایک دوسرے سے بہت قریب آ چکے تھے، ہر روز راز و نیاز کے لئے کوئی موقعہ تلاش کر لیتے۔ کبھی گھر میں

کبھی کھیتوں میں اور کبھی کسی جگہ اور۔ ان دونوں میں محبت کی ایسی جلن پیدا ہو چکی تھی کہ جب تک وہ محبت و پیار کی باتیں نہ کر لیتے اس خلش کی تسکین نہ ہو سکتی۔

ایک دن گھر میں عورتوں کی بھیڑ سو رہی تھی۔ اوشا رانی ان میں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھی۔ راجندر کہیں آوارہ گردی کے لئے جا چکا تھا۔ اور لتا گھر کے کام کاج میں مصروف تھی۔ روی اپنے کمرے میں بیٹھا اس کے آنے کا منتظر تھا۔ خود لتا بھی اس کے پاس پہونچنے کے لئے بیتاب تھی۔ مگر اسے اس کا موقعہ نہیں مل رہا تھا۔ آخر وہ ہمت کر کے کمرے کے دروازے پر پہونچی روی نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بولا

"لتا آج انگریزی نہیں پڑھو گی"

لتا نے رازدارانہ انداز میں کہا "گھر میں عورتوں کی بھیڑ لگ رہی ہے موقعہ ہی نہیں مل رہا"

"پھر کیا کیا جائے"

"یہ آپ سوچئے"

"گاؤں کے باہر باغ میں ملاقات ہو سکتی ہے"

"کس وقت"

"اس وقت۔ زیادہ انتظار کی تاب نہیں"

لتا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور بولی۔ "اچھا آپ چلئے میں بھی ترکاری لینے کے بہانے وہاں آجاؤں گی"۔

یہ سن کر روی اٹھا اور باغ کی طرف چل دیا۔ گاؤں کے نند دیکھ ہی

باغ تھا۔ یہ کوئی چار پانچ ایکڑ میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے پھلوں کے درخت تھے۔ اور اس کے ایک طرف کچھ کھلی زمین میں سبزیاں ترکاریاں اُگی ہوئی تھیں۔ پیڑوں پر پکے ہوئے امرود دکھائی دے رہے تھے۔ اور مالی پرندوں کو اڑا رہا تھا۔ ہاؤ ہاؤ کر رہا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ جب اس نے روہی کو آتے دیکھا تو اپنے بے ہنگم شور کا جواز پیش کرتے ہوئے بولا۔ "چھوٹے سرکار! پرندے پھلوں کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور پکے ہوئے امرودوں پر تو اس طرح سے گرتے ہیں کہ کیا کہا جائے۔ یقین مانیئے آدھے پھل یہ پرندے خراب کر دیتے ہیں۔"

روہی نے کہا "کوے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں"

"ہاں چھوٹے سرکار! ان کوؤں نے ہی تو مصیبت پیدا کر رکھی ہے ہاں کچھ پکے ہوئے امرود آپکے لئے لاؤں"

"نہیں میں کسی پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کچھ پڑھوں گا۔ جب ضرورت ہوگی تو خود امرود توڑ لوں گا۔ تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں"

"نہیں سرکار اس میں تکلیف کی کیا بات ہے آپ کی سیوا کرنا تو ہمارا فرض ہے" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا اور روہی ایک پیڑ کے سائے میں بیٹھ کر لتا کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اسے لتا آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ کچھ اس انداز میں اٹھلاتی ہوئی آرہی تھی جیسے مجسم بہار آرہی ہو۔ اسے دیکھتے ہی روہی نے کچھ یوں محسوس کیا جیسے اس کے رگ و پے میں ایک برقی رو دوڑ گئی ہو۔ جب لتا اس کے پاس پہونچی تو وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور

اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوا بولا

"میرا خیال ہے گھنے درختوں میں جا کر بیٹھیں۔ یہاں تو پھر بھی ہمیں کوئی دیکھ سکتا ہے"

لتا نے اپنی متبسم آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے کہا "ہاں ہاں کیا حرج ہے۔ وہیں چل کر بیٹھتے ہیں"

روی نے اسے بائیں بازو کی گرفت میں لے لیا۔ اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا پیڑوں کے ایک گھنے جھنڈ کے طرف چلا گیا۔ دونوں ایک پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ روی نے اسے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا

"لتا اب تمہارے بغیر نہیں رہا جاتا"

لتا نے والہانہ انداز میں کہا "یقین مانیئے یہاں بھی یہی حالت ہے"

روی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ اور بولا "پھر مجھے کوئی شکایت نہیں ورنہ مجھے یہ شعر پڑھنا پڑتا۔

وہ مذاق عشق ہی کیا جو اک ہی طرف ہو
مری جاں مزا تو جب ہے کہ تجھے بھی کل آئے

"تو گویا آپ نے باقاعدہ عشق شروع کر دیا ہے"

"کیا تمہیں بے قاعدہ عشق پسند نہیں ہے"

"ہرگز نہیں"

"کیوں"

"ہر بات قاعدہ سے ہو تو اچھی ہوتی ہے بے قاعدگی کوئی اچھی

شے نہیں "

یہ سنتے ہی روحی نے اسے اپنے دونوں بازوؤں میں کس لیا۔ اس کا لگتا ہوا جسم قتا کے گدرائے ہوئے جسم سے پیوست ہو گیا تھا اور وہ...... ایک عجیب سی لذت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے تشنہ ہونٹ آہستہ آہستہ لتا کے ہونٹوں کی طرف بڑھائے۔ لتا موقع کی نزاکت کو سمجھ گئی اور اپنا منہ ہٹاتے ہوئے بولی۔

" یہ بات قاعدے میں نہیں ہے "

روحی کے ہونٹ وہیں رک گئے اور بولا۔ " کیا ہونٹوں کا ملنا قاعدے سے باہر ہوتا ہے "

" ہاں یہی بات ہے " ہر کام اپنے وقت پر ہونا چاہیئے

روحی نے کچھ بے تابی کا اظہار کرتے ہوئے کہا " وہ وقت کب آئے گا "

" جب ماں جی چاہیں گی "

" مگر معلوم نہیں وہ کب چاہیں گی "

" یہ آپ ان سے کہیئے۔ آپ تو کہہ سکتے ہیں، مگر ایک لڑکی تو ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی "۔

" یہ بات ان سے طریقے سے کہنی چاہیئے۔ آخر وہ ماں ہیں۔ مگر شادی سے پہلے بوس و کنار تو محبت کی دنیا میں جائز ہیں "

" اس کے بھی کچھ قانون اور قاعدے ہیں "

" کیوں نہیں، شاعر لوگ کھلم کھلا اپنی نظموں اور غزلوں میں بوسوں کا ذکر کرتے ہیں اور کوئی اسے بد اخلاقی سے تعبیر نہیں

کرتا۔ اگر یہ بری بات ہی ہوتی تو نہ وہ اشعار میں بوسوں کا ذکر چھیڑتے اور نہ کوئی اس قسم کے اشعار کو سننا پسند کرتا۔"

رومی نے لتا کو خوب اچھی طرح سے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ ان کے جسم ایک دوسرے سے اتنے پیوستہ ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں تک محسوس کر سکتے تھے لتا نے مزاحمت کئے بنا اپنے سڈول اور مرمریں جسم کو رومی کی آہنی گرفت میں دے دیا تھا۔ جب رومی اسے بھینچتا اور اس کے جسم کے نشیب و فراز پر دباؤ پڑتا تو وہ کچھ عجیب سا لطف محسوس کرتی۔ لہٰذا ہر وہ کبھی کبھار یہ کہہ دیتی "بس اب چھوڑ دیجئے بھی" مگر دل سے وہ یہی چاہتی تھی کہ رومی اسے ساری عمر یوں ہی آغوش میں لئے بیٹھا رہے اور اس سے پیار کرتا رہے۔ جب رومی نے اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے بوسہ کا جواز پیش کیا۔ تو پھر اس نے انکار کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اس نے پھر رومی کی موٹی موٹی آنکھیں اور ہونٹوں کو آگے بڑھتے ہوئے محسوس کیا۔ مگر اب اس نے منہ پیچھے نہیں ہٹایا۔ یہاں تک کہ رومی کے ہونٹ لتا کی گلاب پنکھڑیوں کی طرح کے نازک اور پتلے پتلے ہونٹوں سے آلگے۔ لتا نے کچھ یوں محسوس کیا جیسے شعلوں پر کسی نے پانی گرا دیا ہو۔ اس کے بھڑکے ہوئے جذبات کی آدھی تسکین ہو گئی۔ دونوں کے ہونٹ کافی دیر تک ملے رہے دونوں کچھ ایسا محسوس کر رہے تھے۔ جیسے وہ رنگین اور مست فضاؤں میں پرواز کر رہے ہوں۔ ان کے چپکتے ہوئے جسموں کی حرارت اب کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ رومی نے اپنے ہونٹ پیچھے

مسکراتے ہوئے کہا "شکریہ"

"لتا نے کچھ بیتابی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "بس"

روی اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے لپک کر پھر لتا کا ایک طویل بوسہ لیا۔ دونوں کافی دیر تک اس پیڑ کے نیچے بیٹھے رہے اور محبت کی مستیوں میں کھوئے رہے۔ وہ دنیا مافیہا سے بالکل بے خبر تھے اتنے میں ایک پکے ہوئے امرود پر لپکتے ہوئے کوے نے کائیں کائیں کا شور مچادیا۔ دونوں اس عالم بے خودی سے بیدار ہوئے۔ لتا اس کے آغوش سے نکلی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی ہرنی کی سی موٹی موٹی آنکھیں محبت کے نشے میں سرخ ہو رہی تھیں اس نے حیا آمیز نظروں سے روی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کافی دیر ہوگئی ہے اب مجھے چلنا چاہیئے" ماں جی انتظار کررہی ہونگی"

"کچھ تھوڑی دیر تو اور بیٹھو۔ ایک دور اور چلے گا"

یہ کہہ کر روی ہنس پڑا۔ لتا نے ندامت سے نظریں جھکالیں اوڑھنی لی۔

"نہ بابا میں باز آئی اس دور سے۔ ماں جی کو کیا جواب دونگی" میں نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ سبزی لینے کے لئے باغ جارہی ہوں، اب مجھے واپس جانے دیجیئے"

یہ کہہ کر لتا اٹھی اور سامنے کے کھیت میں چلی گئی۔ وہاں مختلف قسم کی سبزیاں ترکاریاں اگی ہوئی تھیں۔ لتا نے جلدی جلدی کچھ سبزی توڑی۔ روی نے اس کام میں اس کی مدد کی۔ پھر لتا نے

سبزی کا رومال میں باندھی اور روی کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا اب اجازت"

روحی نے بادل نخواستہ کہا "خدا حافظ"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے جارہی تھی۔ اور روی وہیں کھیت میں بیٹھا اسے تک رہا تھا۔ جب وہ ایک پیڑ کی اوٹ میں آگئی تو وہ بھی اٹھا۔ اور باغ میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ سامنے سے پھر مالی شور مچاتا ہوا آرہا تھا۔ مگر اب اس کی آواز میں وہ پہلی سی تیزی نہیں تھی۔ وہ روی کے سامنے آکر رکا اور مودبانہ انداز میں بولا

"چھوٹے سرکار اب کچھ امرود لاؤں"

روی نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "نہیں اب میں گھر جاکر کھانا کھاؤں گا پچھلے پہر پھر آؤں گا اور تمھاری دعوت قبول کروں گا"

یہ کہہ کر روی ہنسنے لگا اور مالی پھر شور مچاتا ہوا اور پرندوں کو اڑاتا ہوا وہاں سے چلدیا۔

روی باغ سے نکلا اور گھر کو چل دیا۔ جب گھر پہنچا تو عورتوں کی محفل برخواست ہو چکی تھی۔ لتا کھانا پکا رہی تھی۔ اور اس کی ماں چارپائی پر بیٹھی کچھ کاڑھ رہی تھی۔ روی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا اور ایک کتاب پڑھنے لگا کوئی گھنٹہ بھر کے بعد اس کی ماں کمرے میں آئی اور بولی "بیٹا کہاں گئے ہوئے تھے"

"ہاں جی ذرا ٹہلنے کے لئے گیا تھا"

"راجندر بھی تمہارے ساتھ گیا تھا"

"نہیں تو"

"نہ جانے کہاں گیا ہوا ہے صبح سے گھر سے نکلا ہوا ہے اسے پڑھنے لکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کھیلنے کا بہت شوقین ہے۔ اسے بہت سمجھایا ہے مگر کسی کی بات مانتا ہی نہیں"

روی کچھ تامل ہوتے ہوئے کہا ماں جی! جب کبھی راجندر کا ذکر چھڑتا ہے تو گاؤں کے اکثر لوگ کہتے ہیں "اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں" اس کا مطلب کیا ہے"

"بیٹا اس کا مطلب یہی ہے کہ راجندر کسی خاندانی باپ کا بیٹا نہیں ہے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کی تربیت بہت اچھی ہوئی ہے اس لئے اس سے خطا کی توقع نہیں ہو سکتی۔ میرا راجندر کبھی ایسی بات نہیں کرے گا۔ جس سے ہماری دل آزاری ہو"

"مگر ماں جی! بات تو یہ ہے کہ کیا واقعی خاندانی شرافت یا رزالت کسی کے کردار پر اثر ڈالتی ہے"

"ہاں بیٹا یہ بات تو صحیح ہے لیکن اگر تربیت اچھی ہو تو بہت سی فطری برائیاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ خاندان کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے"

روی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر کچھ تامل کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "مگر ماں جی! یہ لڑکا بھی تو ایک معمولی کسان کی لڑکی

سے ہے "

"مگر بیٹا کسان ہونا تو کوئی برائی نہیں ہے۔ کمین پن اور شے ہے تم نہیں جانتے، تنا کا باپ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اچھا لکھا پڑھا آدمی تھا۔ مگر دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے کبھی ایک کے پاس اور کبھی دوسرے کے پاس۔ تنا کے ماں باپ پر کچھ ایسی ہی بیتی۔ اور وہ غریب ہو گئے۔ چنانچہ ہم سے تھوڑی زمین لگان پر لے کر گزر بسر کرنے لگے۔ حالات کے بدلنے سے انہیں سخت صدمہ ہوا۔ اور اسی صدمہ سے وہ مر گئے۔ اس وقت تنا صرف ایک سال کی تھی۔ میں نے اسے پال لیا، مگر یہ بات تم نے پوچھی کیوں ہے"

روی نے کچھ تشویش کے لہجہ میں کہا "ہاں جی! یونہی پوچھ لیا ہے کیونکہ ذکر ہی ایسا چھڑا ہوا تھا۔"

اوشا رانی نے مسکراتے ہوئے کہا "بیٹا میں تمہارے دل کی بات سمجھتی ہوں۔ لیکن یاد رکھو میں تمہاری شادی کسی ایسی لڑکی سے نہیں کروں گی۔ جس کی فطرت میں کمین پن ہو۔ تنا ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہے میرے ہاتھوں کی پلی ہوئی ہے۔ میں اس کی خصلت کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ وہ ایک نیک لڑکی ہے نا اچھڈر سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اچھی تربیت کے ہوتے ہوئے بھی اس میں باپ کی کچھ کمزوریاں موجود ہوں مگر تنا ایسی لڑکی نہیں۔ اگر ایسی ہوتی تو میں اس کی شادی کسی اور جگہ کر دیتی۔ اپنی بہو بنانے کے لئے کیوں تیار ہو جاتی۔ تم اطمینان رکھو وہ تمہاری اچھی بیوی

بیوی ثابت ہوگی"

وہ اتنا کہنے پائی تھی کہ لتا آگئی اور بولی۔ "ماں جی! کھانا تیار ہے"

"بیٹا پتا جی کو پہلے کھلاؤ"

"میں نے کھانا ان کے کمرے میں پہنچا دیا ہے۔ ایک مہمان آیا ہے وہ اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں"

"پھر ہمارا کھانا یہیں لے آؤ"

یہ سن کر لتا چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد اوشا رانی نے کہا "بڑی سعادت مند لڑکی ہے۔ گھر کے کام کاج میں تو اتنی سگھڑ ہے کہ کیا کہا جائے"

یہ کہتے ہوئے اوشا رانی نے کچھ ایسی نظروں سے روی کی طرف دیکھا جیسے اس کا تاثر معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ روی ماں کا مطلب سمجھ گیا۔ اس نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں اور خاموش ہو رہا

ہندوستان آزاد ہو گیا اور یو پی میں کانگریسی حکومت قائم ہو گئی۔ آل انڈیا کانگرس اور خصوصیت سے یو پی کانگریس پر

شہری لوگوں کا قبضہ تھا وہ یہ چاہتے تھے کہ دیہاتی اقتدار کو ختم کر کے
رکھ دیا جائے۔ کیونکہ یو پی میں ہمیشہ دیہاتی آبادی کا پلہ بھاری رہا۔
ووٹ بھی اس کے زیادہ تھے جائیداد بھی اس کے پاس کافی تھی
اور تعلیم کے لحاظ سے بھی وہ آگے تھی۔ انگریز کے زمانہ میں یو پی اسمبلی
میں دیہاتی ممبروں کی اکثریت تھی۔ سرکاری ملازمتوں پر ان کا تسلط
تھا۔ بڑے بڑے عہدے دیہاتیوں کے پاس تھے لے دے کر کلرکیاں
شہری آبادی کے حصہ میں آتی تھیں۔

اب جبکہ حصول آزادی کے بعد یو پی میں کانگریس کی حکومت
بنی تو سوشلزم کی آڑ لے کر جاگیرداریوں اور زمینداریوں کی تنسیخ
کا قانون منظور کر دیا گیا۔

مطلب یہ تھا کہ یو پی کی سیاست کو دیہاتی غلبہ سے بچایا جائے
اور شہروں میں رہنے والے کارخانہ دار صناع اور بڑے بڑے متمول تاجر
صوبائی سیاست پر قبضہ کر لیں۔ اگر زمینداریوں اور جاگیرداریوں
کی تنسیخ سے ملک میں سوشلزم کو ہی فروغ دینا ہوتا تو بڑے بڑے
متمول تاجر۔ صناع اور کارخانہ دار اس کی زد سے نہیں بچ سکتے
تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقصد سوشلزم کی ترویج ہرگز نہیں تھا
بلکہ اس قانون کے پس پردہ غرض مند عناصر کے مقاصد کارفرما
تھے۔ جو زمینداروں اور جاگیرداروں کو ختم کر کے صوبہ کی سیاست
میں اجارہ داری حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا عہد
کر چکے تھے۔

زمینداریوں اور جاگیرداریوں کو ختم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوپی کا ایک خصوصی کلچر جو ہندوستان بھر میں قابل رشک متصور ہوتا تھا۔ اور زمینداروں اور جاگیرداروں کی وجہ سے زندہ تھا ختم ہوکر رہ گیا بنیوں اور مارواڑیوں کے برسر اقتدار آنے سے یوپی کے کلچر کی وہ مٹی خراب ہوئی۔ کہ تو بہ بھلی ہندوستان کے ادیب اور شاعر یوپی کے بچارن کو بھی زبان کے معاملے میں سند قرار دیتے تھے کیونکہ نہ صرف ان کا "شین" "قاف" درست تھا بلکہ ان کی بات چیت کرنے کا ڈھنگ بھی انتہائی جاذب توجہ ہوتا تھا۔ مگر شہری بنیوں اور مارواڑیوں نے یوپی کی زبان دانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

بڑے بڑے بڈھے بکھے مزاج کو محتاج قانون کو کانون اور فخر کو فکھر کہنے لگے۔ زبان کلچر کا ایک حصہ ہے اس کے دوسرے اجزا کا بھی یہی حشر ہوا۔ یعنی موسیقی ختم تصویر کشی نابود۔ سنگ تراشی ندارد۔ اور علوم و فنون کے تذکرے داستان پارینہ بن کر رہ گئے۔ کانگرسی بنیوں کے اقتدار سے یوپی کے کلچر کو تو یہ نقصان ہوا۔ اقتصادی لحاظ سے یوپی کی دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع ہوکر رہ گئی قیمتیں بڑھ گئیں اور عوام غریب سے غریب تر ہو کر رہ گئے۔ دیہاتی عوام بھی اور شہری عوام بھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صوبہ اور ملک کی سیاست پر خود غرض عناصر مسلط ہو گئے یہ خصوصیت سے صوبہ یوپی کے باب میں سب سے بڑی سیاسی کمزوری پیدا ہو گئی تھی کہ اقتدار بڈھے نکھٹوؤں کے ہاتھوں سے نکل کر ان پڑھ یا

نیم خواندہ قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں آگیا تھا

زمیندار اور جاگیردار اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صوبائی سیاست میں بھی پیش پیش رہے۔ انھیں سیاست سے بدر کر دیا گیا۔ اور سیاسی طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا۔ جو ہی کھاتہ سے زیادہ علم نہیں رکھتے تھے۔

جمال پور کے زمیندار چندر کانت اور اس کے خاندان پر جو بیتی وہ انسانی سماج کا ایک زبردست حادثہ ہے۔ اس کی ساری زمین مزارعوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اسے جو معاوضہ دینا طے گیا وہ بھی اسے سال ہا سال تک نہ مل سکا۔ چندر کانت اب برائے نام زمیندار تھا۔ ساری زمین مزارعوں کی تحویل میں جا چکی تھی۔ مگر وہ پھر بھی اپنی کوٹھی میں رہتا تھا۔ بنک میں کافی روپیہ جمع تھا اس لئے وہ پہلے سے ٹھاٹ کے ساتھ رہتا تھا۔ مگر آخر کب تک جب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو لاکھوں روپے کا اندوختہ بھی کب تک ساتھ دے سکتا ہے۔

ادھر گاؤں والوں کی یہ حالت کہ وہ چندر کانت کے تمام احسانات کو بھول گئے، بلکہ ان میں کچھ ایسے ترقی پسند بھی پیدا ہو گئے جو دوسرے کسانوں سے کہتے "ساری کانگریسی سرکار دھنیہ ہے اس نے ان بڑے بڑے مگرمچھوں کو ختم کر دیا ہے جو زمینداروں اور جاگیرداروں کی شکل میں پرجا کا خون پیتے تھے۔" ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ جمال پور کے کسان چندر کانت کے احسانات کو یاد رکھتے۔ انھوں نے ایسی بیگانگی اختیار کی کہ اگر چندر کانت کا ان

سے ملنا کبھی ہو جاتا تو وہ اسے سلام کرنے کی کبھی ضرورت نہ سمجھتے۔ سوشلزم کا یہ نعرہ خرافات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ انسان انسان برابر ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو ایک خاندان میں باپ کا درجہ سب سے زیادہ کیوں ہوتا ہے۔ ایک شاگرد کا استاد سے کیوں درجہ کم ہوتا ہے اگر اس قسم کے سوشلزم کو انسانی سماج کی بنیاد مان لیا جائے۔ تو یقینی بات ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیں گے۔ ہندو رام اور کرشن کو اپنے جیسا ایک معمولی انسان سمجھنے لگے گیں اور وہ ضابطہ داخلاق، ختم ہو کر رہ جائے گا جو بانیان مذاہب کی وجہ سے انسانی سماج میں اب تک واجب العمل متصور ہوتا ہے۔ سوشلزم کا نعرہ ایک غیر فطری نعرہ ہے اس کا مطلب ہے سب انسان برابر ہیں، اگر اسے مان لیا جائے تو چھوٹے بڑے کا امتیاز ختم ہو جائے گا جس کی بنیاد پر ہندوستانی سماج قائم ہے۔ انسانی سماج اس وقت تک بحال نہیں رہ سکتا جب تک ہم کسی کو اپنا بڑا نہ مان لیں اور پھر اس کے حکم کی تعمیل کریں۔ اگر سب اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگیں تو سماج چل نہیں سکے گا۔

بہرحال حیدر کانت کی عزت اور وقار اسی سوشلزم کی نذر ہو گئے۔ ان دیہاتیوں نے جو کبھی اسے سرکار کہہ کر پکارتے تھے اب اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حیدر کانت اپنی تربیت کی وجہ سے ان کو سلام کرتا تو وہ سلام کا جواب بھی نہ دیتے اور دوسری طرف منہ کر کے نکل جاتے۔

حیدر کانت پہلے کی طرح اپنی کوٹھی میں مقیم تھا۔ اس کی زمین

اس سے چھین گئی تھی۔ مگر قانون میں ایسی کوئی دفعہ موجود نہ تھی کہ کسی زمیندار یا جاگیردار کو اس کی ساری جائداد سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اس لیے کوٹھی اس کے پاس رہی۔ رومی اول درجہ میں ایم اے کر چکا تھا۔ راجندر ابھی میٹرک کے چکر میں پھنسا ہوا تھا اور لتا سعادتمند بیٹیوں کی طرح ویسے ہی کام کرتی تھی۔ جیسے پہلے کرتی تھی۔ مگر وہ مطمئن تھا کہ رومی، راجندر اور لتا تو اس کے پاس ہیں۔ وہ انہیں کو اپنی دولت سمجھتا تھا۔ ایک بہت بڑا انقلاب آچکا تھا کئی زمیندار گھرانے تباہ ہو چکے تھے۔ مگر چندر کانت اسی شان سے اپنی کوٹھی میں رہ رہا تھا۔ وہ دوسرے زمینداروں کی طرح عیاش آدمی نہیں تھا۔ وہ گاؤں والوں کی مدد... کرتا رہا۔ پھر بھی اس نے اتنا روپیہ جمع کر لیا تھا جو دس سال تک اس کے گھریلو مصارف کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ اس لیے اسے زمینداری کے چھننے کا کوئی زیادہ صدمہ نہیں ہوا۔ اور خرچ پہلے کی طرح ہی چلتا رہا۔ البتہ جو روپیہ وہ دیہاتیوں کو امداد کے لیے دیتا تھا یا اس کی بیوی گاؤں والوں کی دوا دارو، ناشتوں، سگائیوں اور شادیوں پر خرچ کرتی تھی وہ بچ گیا۔ وہ اب بھی ایسا کرنے کیلئے تیار تھا مگر اب اس سے کوئی مدد کا خواہاں ہی نہیں ہوتا تھا۔

چندر کانت کو حکومت نے صرف پچاس ایکڑ زمین رکھنے کی اجازت دی تھی۔ اس میں سے چار ایکڑ زمین میں باغ تھا اور ۴۶ ایکڑ زمین مزروعہ تھی۔ اس نے زمین کی کاشت کے لیے دو نوکر رکھ لیے تھے۔ تین جوڑی بیل خرید لیے تھے وہ خود بھی ہل چلاتا اور اس کام میں رومی.. اس کی مدد کرتا۔ مگر راجندر کی تفریح میں کوئی فرق

نہ آیا۔ نہ وہ ہاتھ سے کوئی کام کرنا پسند کرتا اور نہ کسی کام میں حیدر کانت کا ہاتھ بٹاتا۔ اس کا آبائی شغل یعنی سیر اور شکار اسی طرح سے جاری تھا۔ حیدر کانت کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا لیکن وہ اس انقلاب سے سخت صدمہ ہوا تھا۔ اوشارانی اکثر اس کی تسلی و تشفی کرتی۔ مگر پھر بھی وہ کبھی کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی اور کہتی۔ ماں جی! یہ کیا ہو گیا ہے؟ کیا آزادی کا مطلب یہ ہے کہ تمام لوگ اپنی من مانی کرنے لگیں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ رہے۔ شریف ذلیل ہو کر رہ جائیں۔ اور ذلیل اور کمین تہذیب اور انسانیت کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے اس دنیا میں رہ جائیں"

اوشارانی اس کی تشفی کرتی اور کہتی۔ "بیٹی دنیا میں ہمیشہ ایسے انقلابات آتے رہتے ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر حالت کا سامنا کرے اور مایوس نہ ہو"

حکومت نے تنسیخ زمینداری کے قانون کے تحت زمینیں کسانوں کے نام منتقل کر دیں مگر ان کی حالت میں کوئی سدھار نہیں ہوا۔ انھوں نے انسانیت نواز مصلحت اندیش اور مخلص قسم کے زمینداروں سے نجات تو حاصل کر لی مگر وہ ایسے عناصر کے غلام بن کر رہ گئے جن کے پاس نہ اخلاق، تھا نہ انسانیت تھی اور نہ علم تھا

ہیراج معمولی پڑھا لکھا کسان تھا مگر اس نے اپنی خوشامدانہ فطرت کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں کافی اثر پیدا کر لیا تھا۔ حیدر کانت کا اثر ختم ہوا تو اس کا اقتدار شروع ہو گیا۔

حیدر کانت کا اقتدار تو کسانوں کے نزدیک قابل قبول تھا

کیونکہ وہ ایک شریف قسم کا انسان تھا۔ ہمدرد تھا اور ہر مشکل کے وقت ان کی مدد بھی کرتا تھا۔ مگر ہیم راج کے برسر اقتدار آتے ہی کسانوں کی جان عذاب میں آگئی۔ نام کو زمینیں ان کے نام منتقل ہو گئی تھیں اور لگان داری کا حق کسی کو حاصل نہ تھا مگر عملاً یہ تمام اختیارات ہیم راج کو حاصل ہو چکے تھے۔ کیونکہ حکام میں اس نے اتنا رسوخ پیدا کر لیا کہ کسی میں دم مارنے کی ہمت نہیں تھی۔ جب کوئی افسر دورہ پہ گاؤں میں آتا۔ تو ہیم راج ہی اس کی خاطر مدارات کرتا۔ اور کسانوں کے خلاف اس کے کان بھرتا۔ چندر کانت نے اب افسروں سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کا یہ عمل صحیح بھی تھا۔ کیونکہ جب اسے گاؤں والوں کی نمائندگی کرنے کا حق ہی نہیں رہا تھا۔ تو پھر وہ سرکاری حکام سے کیوں ملتا۔

ہیم راج کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں سے گاؤں کے کسان پریشان ہو گئے۔ اب انہیں محسوس ہوا کہ پہلے انہیں شریفوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ اب ذلیلوں سے واسطہ پڑتا ہے ایک دن کسی شخص نے چندر کانت کی بیٹھک کے دروازے پہ دستک دی، چندر کانت نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو رامو کھڑا تھا۔ چندر کانت نے کہا "بھئی رامو اندر آجاؤ۔"

رامو اندر آگیا اور فرش پر بیٹھنے لگا۔ چندر کانت نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا۔ اور بولا "میرے بھائی کرسی پہ بیٹھو۔"

"نہیں سرکار میں فرش پہ ہی بیٹھوں گا"

"ارے بھئی سوشلزم کا زمانہ ہے۔ انسان انسان میں کوئی فرق

نہیں ہے اور ظاہر ہے یہ ایک اچھی بات ہے ... پھر تمھیں میرے برابر کرسی پر بیٹھنے سے کیوں انکار ہے"

"سرکار اس سوشلزم سے ہم پریشان ہو گئے ہیں اس سوشلزم کی آڑ میں ہم پر رذیلوں اور کمینوں کو لاد دیا گیا ہے۔ اور ہماری ان کے ہاتھوں جو درگت ہو رہی ہے وہ کچھ ہم جانتے ہیں نہ ہماری آمدنی ان چوروں سے محفوظ ہے نہ ہماری بہو بیٹیوں کی عزت"

یہ کہتے ہوئے راٹو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے یہ دیکھ کر جیندر کانت کا دل پسیج گیا اور بولا

"بات کیا ہے"

سرکار آپ کے زمانے میں اکثر مرتبہ ہم آپ سے لگان معاف کرا لیتے تھے مگر اب کیفیت یہ ہے کہ اس خشک سالی کے زمانے میں نہ لگان میں رعایت دی جاتی ہے اور نہ مالیہ میں، قانون کے ماتحت ہم لگان ادا کرنے کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ زمینیں ہماری ہیں، مگر سرکاری حکام ہیموں (ہیم راج) کا کلمہ پڑھتے ہیں وہ ہم سے اب ڈیوڑھا لگان وصول کر رہا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ خیر یہ بات تو برداشت کی جا سکتی ہے۔ مگر ہیموں نے جو بداخلاقی شروع کر رکھی ہے اسے گاؤں والے آخر کب تک برداشت کریں گے"

"آخر کیا بداخلاقی"

"سرکار! کہہ تو چکا ہوں کہ ہماری بہو بیٹیوں کی اب عزت بھی محفوظ نہیں ہے۔ میں اس بات کو آپ کے سامنے ہرگز چھپانا نہیں چاہتا

کہ کل شام ہیموں کے غنڈے میری بیٹی پشپا کو اٹھا کر لے گئے۔ نہ جانے ساری رات کہاں رہی۔ آج صبح وہ گھر پہونچی۔ اس کی حالت غیر ہے۔ کہیے سرکار میں کیا کروں"

یہ کہتے ہوئے رامو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ چندر کانت کی آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ جب رامو کا رونا ذرا تھما تو اس نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا

"رامو یہ حادثہ تمہاری بیٹی کو نہیں بلکہ میری بیٹی کو پیش آیا ہے مگر تم جانتے ہو میں بے بس ہوں۔ اقتدار کمینوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ صبر و شکر سے کام لو۔ اور اگر کوئی خطرہ محسوس کرتے ہو اور مجھ پر بھروسہ کرتے ہو تو پشپا کو میرے ہاں چھوڑ دو۔ میں کوشش کروں گا کہ اس کی عزت آبرو پر اور کوئی آنچ نہ آ سکے۔"

رامو نے اپنے آنسو پونچھے اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا سرکار میں یہی چاہتا ہوں۔ میں ابھی پشپا کو آپ کے گھر پہنچا دوں گا۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ہیموں کے غنڈے پھر رات کو یہی حرکت کریں گے۔"

"رامو تم فکر نہ کرو۔ پشپا یہاں آرام سے رہے گی۔ لتا کی طرح وہ بھی تو میری بیٹی ہے۔"

یہ سن کر رامو اٹھ کھڑا ہوا اور بولا سرکار! اجازت ہو تو اسے ابھی لے آؤں مجھے ڈر ہے کہ خطرہ کسی وقت بھی پیش آ سکتا ہے۔"

"ہاں ہاں تم اسی وقت لے آؤ۔"

"بہت اچھا سرکار!"

یہ کہتے ہوئے راگھو چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پشپا کو لے
کر آ گیا۔ پشپا سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی تھی اور خوبصورت لڑکی تھی
سرو قد۔ سڈول جسم اور تیکھے نقش پشپا نے ... جے رام ... جی کی
کہا اور چندر کانت نے اس کے جواب میں کہا "جیتی رہو بیٹی"
اس نے اسی وقت اوشارانی کو بلایا اور بولا "یہ دوسری
بیٹی ہے تمہاری پشپا"
اوشارانی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور بولی "میں
کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے ایک اور بیٹی مل گئی ہے"
یہ سنتے ہی راگھو ... نے اپنا سر اوشارانی کے قدموں پر رکھ
دیا اور بولا "ہاں جی آپ دھنیہ ہیں۔ ایک سمے ایسا بھی آیا ... کہ
ہمیں آپ کے بارے میں گمراہ کیا گیا اور ہم نے اپنی مورکھتا کے کارن یہ
سمجھ لیا کہ آپ بہت سنگدل تھے۔ مگر حالات نے ثابت کر دیا کہ کمین
کمین ہی ہے اور شریف شریف ہے"
اوشارانی نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا "بھیا ہم آپ کو اب بھی
ویسا ہی سمجھتے ہیں۔ جیسا پہلے سمجھتے تھے۔ پشپا میری بیٹی ہے ویسی
ہی جیسے لتا ہے۔ تم اطمینان سے اپنے گھر چلے جاؤ اور باقی بات تم ہم پہ
چھوڑ دو۔
میں سب کچھ سن چکی ہوں مجھے گاؤں کی کچھ عورتوں نے سارا
واقعہ سنا دیا ہے۔ لیکن تم اپنی بیٹی کی طرف سے مطمئن رہو"
راگھو نے ہاتھ جوڑ کر کہا "ہاں جی آپ کا دھنیہ واد کن شبدوں میں
کروں"

دھمکیاں دا... کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ میرا کام ہے
ہے اور کرتا ہوں... کا پالن ہو گا۔
یہ سن کر رام اپنی بیٹی پشپا کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اوشا
رانی پشپا کو لے کر زنان خانے میں چلی گئی۔
اسی دن رات کے بارہ بجے کے قریب چندر کانت کی کوٹھی
کے دروازے پر دستک ہوئی۔ چندر کانت نے اوپر کی کھڑکی سے
جھانکا اور بولا "کون"
"یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم پشپا کو گھر سے نکال
دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں"
چندر کانت ہیموں یا ہیمراج کی آواز کو پہچان گیا اور بولا "پشپا
میری بیٹی ہے۔ باپ اپنی بیٹی گھر سے نہیں نکال سکتا"
"مگر تمہیں اسے گھر سے نکالنا ہو گا"
"شاید جیتے جی ایسا نہ کر سکوں"
"اگر تم نے پشپا کو پانچ منٹ کے اندر گھر سے نہ نکالا تو تمہارے
مکان کو آگ لگا دی جائے گی"
چندر کانت نے بڑی متانت سے کہا "دیکھا جائے گا"
اس کے بعد وہ کھڑکی سے ہٹا اس نے اوشا رانی کو سارا واقعہ
بتا دیا اوشا رانی نے کہا "ساری باتوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے
مگر بیٹی کی بے عزتی برداشت نہیں کی جا سکتی۔ میں ہرگز اپنی بیٹی
پشپا کو ان دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گی۔ میں مر جاؤں گی مگر یہ
ذلت برداشت نہیں کروں گی۔ کچھ توقف کے بعد اوشا رانی نے پھر کہا

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ روی گھر میں نہیں ہے وہ لکھنؤ گیا ہوا ہے۔ مگر کوئی بات نہیں راجندر تو گھر میں ہے اگر کوئی ایسی مصیبت آئی تو ان کمینوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ گھر میں دو بندوقیں موجود ہیں کارتوس بھی کافی تعداد میں ہیں۔ اگر آپ کا دل کمزور ہے تو میں اور میرا اپنا راجندر ان دشمنوں کا مقابلہ کریں گے مگر میں یہ برداشت نہیں کر دوں گی۔ کہ میں اپنی بیٹی لپشپا کو ان کے حوالے کر دوں۔"

جیندر کانت نے بڑی متانت سے کہا۔ "نہیں تمھیں ایسا کشٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے غم آ گیا دے دو۔ کہ میں اگر ظلم کا مقابلہ کرتے کرتے مارا بھی جاؤں تو تمھیں دکھ نہیں ہوگا مجھے اپنے بچے کی دیر تا پرگمھ و سوگا۔"

یہ کہہ کر اوشا رانی سیڑھیاں اتر گئی۔ اس نے راجندر کو جگایا اور اسے سارا واقعہ بتا دیا۔ وہ بولا ماں جی! میں کیا کر سکتا ہوں آپ لپشپا کو ان کے حوالے کر دیجیے۔ آخر ہمارا اس سے کیا واسطہ ہے۔"

یہ کہہ کر وہ لیٹ گیا اور خراٹے لینے لگا۔

اوشا رانی سمجھ گئی کہ یہ خطرناک کمین ہے اس سے نیکی کی کوئی توقع نہیں۔ اس نے بندوقیں لیں کارتوسوں کی پیٹیاں اٹھائیں اور اوپر چلی گئی۔ لتا بھاگی ہوئی آئی اور بولی "ماں جی کیا بات ہے"

کچھ نہیں بیٹا تم آرام کرو۔ ہاں لپشپا کہاں ہے"

"وہ بیٹی ہے۔" "جاؤ تم آرام کرو گھبرانے کی کوئی بات نہیں"

یہ سن کر لتا چلی گئی۔
کچھ دیر بعد پھر آواز آئی " پشپا کو نکالتے ہو یا لگائیں آگ مکان کو ـــ "
ھیندر کانت بندوق تانے کھڑا تھا بولا " جب تک جان میں جان ہے پشپا کو تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا "
یہ کہتے ہوئے ہیندر کانت نے ہوا میں خالی فائر کیا تاکہ یہ لوگ ڈر جائیں۔ مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا انھوں نے مکان کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ اور ہیندر کانت نے اوپر سے فائرنگ شروع کر دی۔ اوشا ران بندوقوں میں کارتوس بھر رہی تھی جب ایک خالی ہو جاتی تو وہ دوسری بندوق ہیندر کانت کے ہاتھ میں تھما دیتی۔ ہیندر کانت نے آٹھ دس فائر کئے جس سے چار بلوائی ہلاک اور پانچ زخمی ہو گئے۔ ہیرا نند نے نیچے سے ریوالور چلایا مگر ہیندر کانت دیوار کی آڑ لے کر بیٹھا ہوا تھا گولیاں اس کے اوپر سے گزرتی رہیں۔ اتنا جانی نقصان کرانے کے بعد بلوائی بھاگ نکلے۔
فائرنگ کی آواز سے سارا گاؤں جاگ گیا تھا۔ لوگ دھڑا دھڑ ہیندر کانت کی کوٹھی میں آ رہے تھے۔ وہاں سامنے چار آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ زخمیوں کو بلوائی اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہیندر کانت نے سب کو سارا واقعہ سنا دیا۔ رامو بھی ان لوگوں میں موجود تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا
" سرکار آپ نے میری عزت و آبرو رکھ لی "
" میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرا فرض تھا "

گاؤں کے لوگ ہیموں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا کہ اس نے غنڈوں کی ایک فوج تیار کر رکھی ہے سارے غنڈے اس نے ساتھ کے گاؤں سے منگوائے تھے کوئی کہہ رہا تھا اس کا سرکار دربار میں بہت اثر ہے نہ جانے اب گاؤں والوں پر کیا افتاد آئے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

خیدر کانت ان کی باتوں کو سن رہا تھا اور خاموش تھا

جب گاؤں کے لوگ چلے گئے تو خیدر کانت اندر آیا۔ گھر کے سب لوگ جاگ گئے تھے۔ لتا اور پشپا سہمی ہوئی تھیں۔ خیدر کانت نے ان کی تشفی کرتے ہوئے کہا "بیٹے جب تک میں زندہ ہوں تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اوشا رانی نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ہاں ہمارے جیتے جی تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"

اوشا رانی ایک عام گھریلو قسم کی عورت تھی۔ بہت رحمدل اور نرم مزاج۔ کسی کی مصیبت کی بات سنی تو اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے خیدر کانت اکثر کہا کرتا۔ اوشا... تم بزدل عورت ہو، مگر آج اوشا رانی جو دلیری اور ہمت دکھائی اس نے خیدر کانت کو حیران کر دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ دکھیوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی بپتاؤں پر رونے والے اس دل میں ظلم اور حیوانیت کا مقابلہ کرنے کی پوری پوری ہمت موجود ہے اس نے مسکراتے ہوئے اوشا رانی کی طرف دیکھا اور بولا

"جانتی ہو اب کیا ہوگا"

جو ہوگا دیکھا جائیگا"

"اس بدمعاش کا سرکاری افسروں میں کافی اثر ورسوخ ہے۔ وہ یقیناً ہمیں پھنسوانے کی کوشش کرے گا۔ میں نے حفاظت خود اختیاری میں گولی چلائی۔ اگر نہ چلاتا تو یہ لوگ مکان کو آگ لگا دیتے۔ مگر اوشا تم نہیں جانتیں یہ اندھیر نگری ہے یہاں کے چوپٹ راجہ کا سوچنے کا انداز کچھ اور ہی ہے"

اوشا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور بولی۔ "پران ناتھ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ گولی آپ نے نہیں میں نے چلائی ہے۔ پھانسی میں لگوں گی آپکو نہیں لگنے دوں گی۔ میں کمین گھر کی نہیں اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ اپنے پتی کی آن پر حرف نہیں آنے دوں گی۔"

یہ سن کر چندر کانت گھبرا گیا اور بولا۔ "اوشا تم غلط سمجھ گئیں تم نے شاید یہ سوچا ہے کہ میں پریشان ہوں۔ پرماتما کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں ہرگز پریشان نہیں۔ بلکہ میں خوش ہوں کہ میں نے ایک انسانی فرض ادا کیا ہے۔ مجھے تمہارے ان الفاظ سے کوفت ہوئی ہے کہ میں تمہیں پھانسی نہیں ہونے دونگی خود ہو جاؤں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اخود سے ڈرتا ہوں۔"

چندر کانت کا لہجہ درشت تھا اور آواز بلند۔ اوشا رانی نے اس کے چرنوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ "پران ناتھ میں تو آپ کے چرنوں کی دھول ہوں میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ میرا شوہر کائر ہے لیکن ایک پتنی کے ناطے میرا یہ فرض ہے کہ اگر کوئی مصیبت آتی ہو تو وہ اپنے آپ پر لے لوں اپنے پتی پر نہ آنے دوں۔"

ہرگز نہیں میں تمہیں اتنی کی آگیا نہیں دوں گا۔ میں راجپوت ہوں

میدان جنگ میں لڑنا مرا کام ہے۔ راجپوتوں نے کبھی اپنی عورتوں کو میدان جنگ میں نہیں بھیجا۔ میں جانتا ہوں کہ تم بندوق چلا سکتی ہو۔ اچھی نشانہ باز ہو۔ مگر میں نے تمہیں اس کی اجازت نہیں دی۔۔ میرے جیتے جی یہ کام تمھیں نہیں مجھے کرنا چاہیئے۔"

"بہت اچھا مگر میں بھی تو راجپوتنی ہوں"

"میں نے کبھی انکار کیا ہے"

"ہرگز نہیں۔ اگر میدان جنگ عورتوں کی رسائی سے باہر ہے تو جوہر کی رسم تو ان کی روایات میں شامل ہے"

جندر کانت یہ سن کر مسکرایا اور بولا "ہاں جوہر راجپوتوں کی روایات میں تو شامل ہیں۔ مگر ہے یہ بزدلی۔ بہادری یہی ہے کہ انسان زندہ رہے اور حالات کا مقابلہ کرے"

ادشاراج اپنے پتی کا مطلب سمجھ گئی اور بولی "آپ اطمینان رکھیں ایسا ہی ہوگا۔"

رات کافی ہو چکی تھی۔ گھر کے سب لوگ جاگ اٹھے تھے، جندر کانت چارپائی پر بیٹھا تھا۔ اس کے نزدیک ہی لتا اور لشپا بیٹھی تھیں۔ مگر راجندر موجود نہیں تھا۔

جندر کانت نے کہا "راجندر کہاں ہے"

"مزے سے سو رہا ہے"

"یہ گولیاں برستی رہیں اور دھائیں دھائیں ہوتی رہی۔ اس سے وہ جاگا نہیں"

"نہیں"

اوشا رانی کے اس مختصر جواب سے خیدر کانت کی تسلی نہیں ہوئی۔ اور بولا "کیا تم نے اسے جگایا نہیں، زندگی کا اتنا بڑا حادثہ پیش آیا اور وہ سوتا رہا۔"

"جگایا تھا۔ مگر وہ یہ کہتے ہوئے پھر سو گیا کہ پشپا کو ان کے حوالے کر دو۔ لڑنے کی کیا ضرورت ہے"

یہ سن کر چندر کانت کو سخت غصہ آیا۔ اور بولا "اوشا.... میں یہ بات نہیں مانتا تھا۔ مگر آج ماننا پڑا کہ کمین کمین ہوتا ہے۔"

اوشا نے کچھ تلخ لہجے میں کہا "آپ میرے بارے میں سب کچھ کہہ سکتے ہیں اور میں سن سکتی ہوں۔ مگر راجندر کے بارے میں نہیں سن سکتی میں جانتی ہوں کہ وہ کمین کا بیٹا ہے۔ مگر اس نے دودھ تو میرا پیا ہوا ہے۔ تربیت تو ہماری ہی ہے وہ ایسا نہ کرتا نہیں ہو سکتا۔"

اسنے دودھ بھی تمہارا پیا۔ تربیت بھی تمہاری ہی ہے۔ مگر بنیاد کمزور ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی"

"وہ کمین کے نطفے سے ہے۔"

اوشا رانی خاموش ہو گئی اور رتنا اور پشپا سے بولی "جاؤ بیٹے تم جا کر سوؤ۔ تم کیوں بیٹھی ہو۔" پشپا تو خاموش رہی مگر رتنا دھاڑیں مار کر رونے لگی اور بولی۔ "ماں جی! اب کیا ہو گا۔"

اوشا رانی نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا "بیٹی جو کچھ ہو گا دیکھا جائیگا۔ تم کیوں دل ہلکا کرتی ہو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

یہ سنکر پشپا اور رتنا اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

ہیم راج نے اسی وقت پولیس کو اطلاع کر دی۔ صبح سویرے سے
پولیس گاؤں میں پہونچ گئی۔ اس نے چندر کانت کو گرفتار کر لیا۔ حالانکہ
اس بات کا ثبوت تھا کہ گولی حفاظت خود اختیاری میں چلائی گئی ہے
اگر قتل عمد ہوتا تو گولی چندر کانت کی کوٹھی میں نہیں کسی اور جگہ سے
چلتی۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ ہیم راج کا اثر و رسوخ کافی تھا۔ بڑے
بڑے افسروں اور لیڈروں تک اس کی رسائی تھی۔ اس سے
چندر کانت اگر ...... گرفتار ہو گیا تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی
دو تین مہینے تک مقدمہ چلتا رہا۔ پولیس کے سکہ بند گواہوں کی شہادت
کی بنا پر چندر کانت کو سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔ کمرہ عدالت میں
اوشارانی۔ پشپا۔ لتا اور روپا موجود تھے۔ فیصلہ سنتے ہی اوشارانی
ضبط نہ کر سکی۔ اور مجسٹریٹ کے پاس آکر انتہائی تلخ لہجے میں بولی اگر
یہ قتل عمد ہی ہے تو اصل قاتل تو میں ہوں۔ مجھے سزا ملنی چاہیے"
مجسٹریٹ نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ ساری جذباتی باتیں ہیں
عدالتوں اور کچہریوں میں ایسی باتیں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ان
سے متاثر نہیں ہوتے"
اتنے میں پولیس کے سپاہی چندر کانت کو ہتھکڑی پہنانے

کمرہ عدالت سے باہر لے گئے۔ اور پولیس ویگن میں بٹھا کر جیل کو چلدیئے
روی کانے اس فیصلہ کے خلاف پہلے ہائی کورٹ میں اور پھر سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ مگر وہ مسترد ہو گئی۔ آخرکار مقررہ تاریخ کو جندر کانت کو سزائے موت دی گئی۔

اس حادثہ کا اثر جندر کانت کے گھرانے پر بہت برا پڑا۔ بندوقیں ضبط کر لی گئیں۔ مقدمہ پر ہزاروں روپے خرچ ہو گئے۔ زمین چھن جانے کے بعد بھی گھر کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ کیونکہ خدا کا دیا بہت کچھ تھا۔ اس حادثے سے نہ صرف کافی مالی نقصان ہوا بلکہ گاؤں والوں کی نگاہوں میں اس گھرانے کا وقار اور کم ہو گیا۔

ہیم راج اب روی اور اس کے گھرانے کا سخت دشمن ہو گیا تھا وہ گاؤں میں کھلم کھلا کہتا پھرتا تھا کہ اگر میں نے اس گھر کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی تو میرا نام ہیم راج نہیں۔

گاؤں کے اکثر لوگ اب بھی دل سے زمیندار گھرانے کی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ انھیں یاد تھا کہ زمیندار ان کی ہر شادی غمی میں شریک ہوتا تھا۔ اور ان کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ مگر وہ ہیم راج کے ڈر کے مارے دم نہیں مار سکتے تھے۔ ہیم راج کی حیثیت سرکاری کاغذات میں ایک معمولی کسان کی تھی۔ مگر اس نے حکام کو کچھ ایسا شیشہ میں اتار رکھا تھا کہ وہ عملاً سارے گاؤں کا مالک بنا بیٹھا تھا۔ گاؤں کے دوسرے کسان بظاہر اپنی زیر کاشت زمینوں کے مالک بنا دیئے گئے تھے۔ مگر انہیں اب بھی لگان دینا پڑتا تھا۔ پہلے جندر کانت کو دیتے تھے اور اب ہیم راج کو فرق صرف اتنا تھا۔ کہ جندر کانت ان سے کم

لگان وصول کرتا تھا۔ اور ہیمراج اس سے کہیں زیادہ۔ جنیدر کانت ضرورت کے وقت کسانوں کی مدد بھی کر دیا کرتا تھا، مگر ہیمراج سے کسی کو نیکی کی توقع نہیں تھی۔

جنیدر کانت کے گھر میں ایک انقلاب آیا کہ راجندر گھر والوں کو چھوڑ کر اپنے باپ ہیمراج کے پاس چلا گیا۔ ہیمراج نے اسے ورغلایا اور وہ اس کی باتوں میں آ گیا حالانکہ چھ مہینے کی عمر میں ہی اس کی ماں مر گئی تھی اور اوشا رانی نے اسے بڑے ناز و نعمت میں پالا تھا۔ مگر آخر کار اس کا کمین پن رنگ لایا اور وہ اپنے باپ کے ہاں چلا گیا۔ اوشا رانی کو بہت دکھ ہوا۔ وہ اسے روی سے بھی زیادہ چاہتی تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھی تو یہ کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہو گی۔

راجندر کی احسان فراموشی کی دوسری مثال یہ ہے کہ وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ مل کر روی اور اس کے گھر والوں کے خلاف سازشوں میں شریک ہونے لگا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح زمیندار کے گھرانے کی برملا برائی کرتا رہتا۔

پشپا ابھی تک روی کے ہاں تھی۔ ایک دن اس کا باپ رامو گھر میں آیا اوشا رانی نے کہا "چودھری اب تم اپنی بیٹی کو لے جاؤ"

"رامو نے تشویش آمیز لہجے میں کہا کیوں سرکار"

اوشا رانی نے اندوہ ناک لہجے میں کہا۔ "اس کی حفاظت کرتے کرتے ہم پر جو بیتی ہے وہ تم جانتے ہی ہو۔ نہ جانے اس کی وجہ سے ہم پر کوئی اور افتاد آ جائے"

"سرکار جو افتاد آنی تھی وہ آ چکی ہے، اس سے زیادہ اور کیا آ سکتی

ہے۔ آپ جانتی ہیں میری بیٹی کی عزت خطرے میں ہے۔ یہاں
رہے گی تو مجھے سکون رہے گا۔ یقین کیجئے میں آپ کا احسان نہیں
بھولوں گا"

اوشا رانی کا چہرہ متبسم ہو گیا اور بولی "آپ لوگ احسان کو
یاد بھی رکھتے ہیں؟"

"کیوں نہیں سرکار"

"بالکل جھوٹ، ہیرا ج پر ہم نے جو احسانات کئے تھے وہ تم
لوگوں کو معلوم ہیں۔ مگر اس نے نیکی کا بدلہ یہ دیا کہ میرے بچے کو موت
کی سزا دلوا دی۔ اس کے چھ مہینے کے بچے کو پال پوس کر جوان کیا۔ پڑھایا
لکھایا۔ مگر جب ہم پر مصیبت آئی تو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر اپنے باپ
کے پاس چلا گیا۔ اور آج وہ ہمارے خلاف سازشوں میں شریک ہے
میں نے اکثر عورتوں سے سنا ہے کہ وہ آج کل ہمیں بہت برا بھلا کہتا ہے
رامو بھیا آخر تم بھی تو ان ہی لوگوں میں سے ہو۔ تم میرا احسان کیا
یاد رکھو گے؟"

رامو نے کہا سرکار میں ہیرا ج نہیں ہوں میری رگوں میں ایک
شریف کا خون دوڑ رہا ہے۔ ہیرا ج تو چاہے جو کرے میں آپ کا
احسان ... کبھی نہیں بھولوں گا" یہ کہتے ہوئے رامو نے اوشا رانی کے
پاؤں پکڑ لئے اور بولا

"سرکار بیٹی کا دھن ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی عزت و آبرو
محفوظ رہے۔ میرے گھر میں آئی تو یہ بدمعاش اسے ٹکنے نہیں دیں گے
یہاں کسی کی جرأت نہیں کہ اس کی طرف ... انگلی اٹھائے۔ اس میں شبہ

نہیں کہ سرکار کو موت کی سزا ہو گئی۔ مگر افسوس نے اس بدمعاش، اور ہیم راج کے چار بدمعاشوں کو بھی تو ٹھکانے لگا دیا۔ ہیم راج کو یہ سودا مہنگا پڑا۔ اُسے اب معلوم ہے کہ اگر اس نے پھر پشپا کو میلی نظر سے دیکھا تو اس کی خیر نہیں۔ پہلے تو وہ اتفاق سے بچ گیا تھا۔ مگر اب شاید وہ نہیں بچے گا۔ اس لئے اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس گھر چار دیواری میں میری بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالے"

ادشا رانی نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی۔ جب وہ بات ختم کر چکا تو متفسرانہ نظروں سے ادشا رانی کی طرف دیکھنے لگا؛ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ نہ جانے ادشا رانی اس کی بات کو مانے گی یا نہیں، مگر ادشا رانی کا دل تو بہت نرم تھا۔ جب وہ کسی کی مصیبت سنتی تو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ اس نے غور سے رامو کے مغموم چہرے کی طرف دیکھا وہ اپنی بات کا جواب سننے کے لیے منتظر تھا۔ ادشا رانی نے کہا۔

"اچھا رامو بھیا پشپا ہمارے ہاں ہی رہے جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کریں گے"

یہ سن کر رامو نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، "سرکار آپ دھنیہ ہیں آپ وشنو اس رکھیئے میں آپ کا احسان ساری عمر یاد رکھوں گا میں نمک حرام نہیں ہوں"

یہ کہہ کر رامو اٹھا اور جے رام جی کی کہہ کر گھر سے نکل گیا۔ اتنے میں رودی اپنے کمرے سے نکل کر ماں کے پاس پہنچا اور بولا

"ماں جی! رامو کیا کہہ رہا تھا"

"بیٹا میرا خیال تھا کہ پشپا کو اس کے گھر پہنچا دیا جائے۔ مگر رامو کہتا ہے کہ ابھی مناسب نہیں ہے کیونکہ ہیروں کوئی حرامی پن کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

"مجھے رامو کی بات ماننی پڑی۔ پشپا ابھی یہیں رہے گی۔"

"بہت اچھا۔ آپ کا فیصلہ نہایت مناسب ہے۔ ایک بات مجھے اور بھی آپ سے کہنی ہے"

"کہو بیٹا کیا بات ہے؟"

"ماں جی! اب وہ بات نہیں رہی جو منیما دیوی کے زمانہ میں تھی لوگوں کا سرکار سرکار کہتے منہ نہیں تھکتا تھا مگر اب حالت یہ ہے کہ پرواہ بھی نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مذاق کرتے ہیں یہ صحیح ہے کہ ہیراج کی غنڈہ گردی نے ان لوگوں کے حوصلے پست کر رکھے ہیں کیونکہ ہیراج سب سے بڑا غنڈا ہے۔ مگر ماں جی! یہ یقین مانیے کہ یہ کمینے لوگ ہیں چاہے کوئی رامو ہو یا شامو۔ آپ نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس کی حرف بحرف تعمیل ہوگی اور جان کی بازی لگا کر بھی تعمیل ہوگی۔ مگر ان لوگوں سے نیکی کی توقع نہ رکھیے۔ پتا جی کو موت کی سزا کیوں ہوئی۔ صرف اس لئے کہ وہ ایک مظلوم لڑکی کی حفاظت کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ کا خیال ہے کہ کیا یہ لڑکی اس احسان کو مانے گی ہرگز نہیں۔ آپ نے راجندر کو اس وقت گود لیا جب وہ صرف چھ مہینے کا تھا آپ نے اسے اپنا دودھ پلایا پڑھایا لکھایا۔ جوان کیا۔ پھر اس نے آپ سے کیا سلوک کیا۔ ماں جی

پشپا بھی یہی کرے گی۔"
یہ سن کر رانی کچھ پریشان سی ہو گئی اور بولی۔ "تو کیا بیٹا اسے اس کے پتا کے گھر پہنچا دیا جائے۔"
"نہیں ماں جی! اب ایسا نہیں ہوگا۔ یہ یہیں رہے گی کیونکہ آپ وچن دے چکی ہیں۔ اس کی عزت و ناموس کی حفاظت زندگی کے آخری لمحوں تک کی جائے گی۔ میں نے جو یہ ساری بات کہی ہے تو اس لئے کہی ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو آئندہ کوئی فیصلہ کرتے وقت ان باتوں کو نہ بھولئے۔"
اوشا رانی نے دھیمے لہجہ میں کہا۔ "بہت اچھا بیٹا ایسا ہی ہوگا۔"
روی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "ماں جی ایک بات اور بھی آپ سے پوچھنی ہے۔"
"کیوں کیا بات ہے وہ؟"
"آج نتھو بڑھئی ملا تھا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس کی دوکان پر بیٹھا ہیرا ہیرا آج کچھ لوگوں سے کہہ رہا تھا۔ اب ان سے کوٹھی خالی کروا لوں گا۔ چند دنوں میں دیکھنا کوٹھی میرے قبضہ میں ہو گی۔"
"بیٹا پھر کیا کرنا چاہیئے؟"
"یہی تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔"
"بیٹا اصلی چیز تو زمین تھی۔ اس سے ہم لوگ محروم ہو گئے۔ کوٹھی تو محض رہنے کی لئے ہے یہ تو ایک نمائشی چیز ہے جب اصل چیز ہم سے چھن گئی ہے تو اس نمائشی کوٹھی کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی ہم ایک معمولی جھونپڑے میں بھی گذارہ کر سکتے ہیں گھر کے لوگ ہی کتنے ہیں۔ پہلے تو کوٹھی کی اس لئے ضرورت تھی کہ اس کا چوتھائی حصہ گودام

کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مگر اب وہ بات ہی نہیں رہی بیٹا میں نہیں چاہوں گی کہ اس معمولی سی بات کے لیے جھگڑا کیا جائے اور کوئی اور خون ہو جائے۔ اگر اس وقت بھی کوٹھی کے قبضہ کا معاملہ ہوتا تو میں تمہارے پتا کو کبھی یہ مشورہ نہ دیتی کہ غنڈوں کا مقابلہ کیا جائے۔ سوال ایک لڑکی کی عزت کو بچانے کا تھا۔ اور میں سمجھتی ہوں۔ کہ اس کے لیے اگر دس ہزار جانیں بھی قربان کرنا پڑیں تو کم ہیں۔ تم تو یہاں موجود نہ تھے میں نے خود تمہارے پتا کو مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اور صاف لفظوں میں کہا تھا کہ اگر آپ ایک معصوم لڑکی کی عزت کرتے ہوئے مارے بھی جائیں گے۔ تو مجھے دکھ نہ ہوگا چنانچہ وہ مقابلہ پر ڈٹ گئے ۔ دو بندوقیں تھیں ایک خالی ہوتی تو میں دوسری بندوق میں کارتوس بھر کے ان کے ہاتھ میں تھما دیتی۔ بیٹا وہ ایک بہت بڑی بات تھی تمہارے باپ کو موت کی سزا ہو گئی۔ ہمارا گھر تباہ ہو گیا۔ مگر مجھے یہ اطمینان ہے کہ انھوں نے ایک فرض ادا کیا... ایک انتہائی ضروری فرض، کوٹھی کا معاملہ اتنا اہم نہیں ہے۔ جہنم میں جائے یہ کوٹھی۔ ہم جھونپڑے میں رہ کر گذارا کر لیں گے اس چھوٹی سی بات کے لیے میں ایسی کوئی قربانی دینے کیلئے تیار نہیں ہوں "

"ویسے ماں جی میں اس کیلئے تیار ہوں صرف آپ کے آگیا کی ضرورت ہے"

"نہیں بیٹے میں آگیا نہیں دونگی"

"پھر کیا کرنا چاہیئے"

"کل سے گاؤں میں کوئی چھوٹا موٹا مکان تلاش کرو اور خود کوٹھی

کو چھوڑ دو۔ اس میں ہمیشہ رہے یا کوئی اور ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں

"بہت اچھا ماں جی! ایسا ہی ہوگا"

کوٹھی سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا مکان خیند کانت نے تعمیر کروایا تھا جس میں اس کے مہمان ٹھہرا کرتے تھے۔ دوسرے ہی روز یہ سارے لوگ اس مکان میں منتقل ہو گئے اور کوٹھی خالی ہو گئی اسی دن شام کو ہیمراج نے بغیر مزاحمت کے کوٹھی پر قبضہ کر لیا۔ اور ٹھاٹ سے اس میں رہنے لگا اس کے ساتھ روحیندر بھی تھا۔

پشپا ابھی تک رومی کے یہاں ہی رہ رہی تھی۔ رومی نے تو کوٹھی محض اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چھوڑی تھی۔ مگر ہیمراج نے اسے اس کی کمزوری سے تعبیر کیا، اور اسے اور اس کے گھر کے لوگوں کو پریشان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے راحیندر سے کہا کہ وہ پشپا پر ڈورے ڈالے اور اس کے ذریعہ رومی کے گھر میں پھوٹ ڈالے۔ اصل میں اس کی آنکھ لتا پر تھی۔ مگر وہ پہلے چار خون کر چکا تھا اس لئے اسے کوئی حرکت کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اور اب وہ اس کام کو حکمت عملی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اوشا رانی لتا کی شادی روی سے کرنا چاہتی ہے۔ وہ کوئی سازش کرنا چاہتا تھا تاکہ شادی رک جائے اور لتا اس کی ہوسکاریوں کا شکار ہو سکے۔

بیٹے سے اس قسم کی بات کوئی باپ نہیں کر سکتا مگر ہیمراج ایک بدفطرت انسان تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ شراب پیتا اور اپنی عیاشیوں میں اسے شریک کرتا۔ اس نے اسے یہ بات کہتے ہوئے

کوئی بےعزتی محسوس نہ ہوئی ۔ راجندر نے بھی باپ کی بات مان لی ۔
ایک دن کی بات ہے پشپا سبزی لینے کے لئے باغ گئی ہوئی تھی باغات زمینداریوں کی تنسیخ کے قانون سے مستثنیٰ تھے اس لئے یہ باغ ابھی تک ردی کی تحویل میں تھا ۔ جب پشپا سبزی لا رہی تھی ۔ تو راجندر بھی سیر گشت کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا ۔ پشپا نے اسے ایک نظر دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں ۔
راجندر نے کچھ طنزاً کہا " پشپا آنکھیں تمھاری کچھ کمزور ہو گئی ہیں ۔"

پشپا نے اسے گھورتے ہوئے کہا " نہیں تو "
" مجھے پہچانا تم نے "
" ہاں ہاں کیوں نہیں آپ راجندر بابو ہیں "
" میری یہ بدقسمتی ہے کہ میں اس گھر میں نہ رہ سکا ۔ ورنہ تمھارے متعلق میرا ارادہ کچھ اور تھا ۔ اور ماں جی اس معاملے میں میری نوا تھیں "
پشپا نے ... مشکوک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دیکھا اور بولی
" کیا ارادہ تھا آپ کا میرے متعلق "
" بتاؤں "
" ہاں ہاں "
" برا تو نہیں مان جاؤ گی "
" برا ماننے کی بات ہو گی تو برا مانوں گی ورنہ میرا دماغ خراب ہے "
" برا ماننے کی بات تو نہیں ہے کیونکہ ایک جائز بات ہے "
پشپا نے کچھ چڑتے ہوئے کہا " آخر معلوم بھی تو ہو کہ وہ کیا بات ہے "

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا تھا"

"یہ سن کر پشپا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور بولی "آپ کے پتا میری عزت لینے کی فکر میں تھے اور آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"پتا کا عمل ان کے ساتھ ہے میرے ساتھ نہیں لیکن جب ان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ راجندر پشپا سے شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسی حرکت ہرگز نہیں کریں گے۔ انہیں اس بات کا علم ہی نہیں تھا ورنہ یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔"

پشپا نے کچھ تامل کے بعد کہا "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے"

"کیسے نہیں ہو سکتا"

"آپ ایک دھنوان ہیں اور میں ایک غریب کسان کی بیٹی ہوں"

"پشپا میں پڑھا لکھا انسان ہوں۔ ایسی باتوں کو نہیں مانتا"

یہ کہتے ہوئے راجندر نے پشپا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور چوم لیا۔ پھر بولا معافی چاہتا ہوں بے اختیاری میں یہ غلطی ہو گئی"

پشپا کا چہرہ متبسم ہو گیا اور بولی۔ ایسی بری حرکت بھی نہیں ہے مگر ہاں یہ طے کر لیجئے کہ آپ ایک غریب کسان کی بیٹی سے نباہ کر سکتے ہیں"

"طے کر چکا ہوں مزید طے کرنے کی ضرورت نہیں"

"تو پھر کیا میں روی کے گھر سے آ جاؤں"

"پڑوسی نے تم سے نہیں کہا"

"پھر وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے"

پشپا تم نہیں جانتی۔ جب تک میں پتا جی کو ہموار نہیں کر لیتا تمھیں خاموش رہنا ہوگا۔"

"بہت اچھا۔"

دستور تو یہی چلا آتا ہے کہ محبت کے معاملات میں اظہار مدعا کرنے کے لیے کئی ملاقاتوں کی ضرورت پڑتی ہے مگر راجندر نے ایک ہی ملاقات میں پشپا کو اپنے شیشے میں اتار لیا۔ اور وہ اس سے شادی کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ یہ بھی غالباً خون کا اثر ہے یا ناقص تربیت کا۔ کیونکہ جب تک عورت یقین حاصل نہیں کر لیتی اور دوسرے کے جذبات سے روشناس نہیں ہو جاتی..... وہ محبت کا سودا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتی۔

اب پشپا میں اور راجندر میں ہر دوسرے تیسرے دن خفیہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔ وہ روز بروز قریب ہوتے چلے گئے۔ پشپا کو واقعی اس سے محبت ہو گئی۔ راجندر تو منافقت برت رہا تھا اور ظاہر یہی کر رہا تھا کہ وہ اسے بہت چاہتا ہے پشپا بھی اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی۔

ایک دن راجندر نے پشپا سے کہا "پشپا روی اور لتا کی شادی کب ہوگی۔"

"سنا تو میں نے بھی ہے کہ ان کی سگائی ہو چکی ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ شادی کب ہوگی۔"

"مجھے اس عورت سے سخت نفرت ہے۔"

"کیوں۔"

"جب میں ماں جی کے یہاں رہتا تھا تو میں نے اشاروں اشاروں میں ہی ایک دن ان سے کہہ دیا تھا کہ میں پشپا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تم اسوقت ان کے ہاں آ چکی تھیں ماں جی مان گئیں مگر اس لتا نے ٹانگ اڑا دی اور ماں جی سے کہا۔ کہ ایک معمولی کسان کی بیٹی سے راجندر کی شادی کچھ مناسب بات نہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی ایک معمولی کسان کی لڑکی ہے"

یہ سن کر پشپا کو بہت غصہ آیا اور بولی "بڑی بدمعاش عورت ہے یہ"

"ہاں ہاں میرا بھی یہی خیال ہے"

"پھر دو اس کو سبق"

"ضرور دینا چاہیئے۔ مگر کرو گی کیا"

پشپا نے انگلیاں چٹکاتے ہوئے کہا "عورتوں کے چنتر کو آپ نہیں جانتے۔ وہ چاہیں تو آسمان پر تھگلی لگا آئیں"

راجندر نے ہنستے ہوئے کہا "مگر لتا بھی تو عورت ہے"

"ارے چھوڑو۔ بھگوان جانے اسے وہ ٹھگنی کا ناچ نچاؤں کہ ساری عمر یاد رکھے"

"ضرور نچاؤ۔ مگر وہ ناچ بھی تو بتا دو ہوگا کیا"

"وہ آپ بتا دیجئے"

یہ سن کر راجندر کھل کھلا کر ہنس پڑا اور بولا کہ آسمان پر تھگلی تم لگاؤ گی۔ ٹھگنی کا ناچ تم اسے نچاؤ گی اور فیصلہ میں تمہیں بتاؤں۔

پشپا نے منت کرتے ہوئے کہا میں اَن پڑھ ہوں آپ پڑھے لکھے ہیں آپ جو گُر بتائیں گے وہ بہت بڑھیا ہوگا۔ یقین کیجیے اس گُر کا استعمال ایسا ہوگا کہ نقل اور اصل میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔"

"پھر بتادوں وہ گُر"

"ہاں ہاں ضرور"

"روی سے جھوٹ موٹ پریم کرنا شروع کر دو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے قابو میں آ جائیگا۔ اگر نہ آیا تو پھر روی سے ایسا ویوہار رکھو کہ لتا کو شبہ ہو جائے اور روی اور اس میں پھوٹ پڑ جائے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ لتا نے میرے اور تمہارے رشتہ میں رکاوٹ پیدا کی تھی میں نہیں چاہتا کہ لتا اور روی کے رشتہ کی بیل منڈھے چڑھے۔"

"لیکن اگر میں نے روی پر ڈورے ڈالنا شروع کیے تو آپ بگڑ جائیں گے۔"

"بھگوان کی سوگندھ کھا کر کہتا ہوں میں نہیں بگڑوں گا۔"

"بہت اچھا کل ہمارے ڈرامہ شروع ہو جائیگا اور ایسا ہوگا کہ آپ میری پرشنسا کریں گے۔"

"وہ تو میں اب بھی کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر راجندر ہنسنے لگا

پشپا نے کچھ فخریہ انداز میں کہا "وہ تو آپ مری شکل و صورت کی پرشنسا کرتے ہیں۔ یہ میری کلا کی پرشنسا ہوگی۔"

"اچھا یہ بات ہے۔"

یہ کہہ کر راجندر بے ہنگم ہنسنے لگا اور اس کے ساتھ پشپا بھی قہقہے لگانے لگی!

پشپا اور راجندر کا میل ملاپ جاری رہا۔ ردی یا اس کی ماں اوشا رانی کو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے اور وہ اس کی حفاظت کر کے ایک اخلاقی فرض ادا کر رہے ہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ جس لڑکی کی وجہ سے ان کے خاندان پر اتنی بڑی تباہی آئی۔ وہ ان سے بے وفائی بھی کر سکتی ہے اور کمین پن کا ثبوت دے سکتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسی لڑکی کے لئے جنیدر کانت نے اپنی جان کی قربانی دی۔ اوشا رانی نے پھر بھی اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کا وعدہ کر لیا۔ مگر اس کا کمین پن آخر رنگ لایا اور وہ ایک مخالف کے ساتھ مل کر اس گھرانے کے خلاف ایک سازش میں شریک ہو گئی یعنی جس تھالی میں وہ کھاتی تھی اسی میں چھید کرنے کی ٹھان لی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبت کے جنون میں آدمی بہت سی ناواجب باتیں کر جاتا ہے، مگر راجندر سے پشپا کا کوئی ایسا لگاؤ نہیں تھا محبت فوری طور پر ہوتی نہیں، بلکہ بتدریج پروان چڑھتی ہے فریقین کو ایک دوسرے کے جذبات سے روشناس ہونے میں۔ ایک مدت لگ جاتی ہے۔ تب کہیں جا کر ان میں ایک جذباتی تعلق قائم ہوتا ہے

مگر پھر بھی جانچ اور آزمائش کی گنجائش رہتی ہے۔ جب دونوں کو اطمینان ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک دوسرے کی محبت کا اقرار کرتے ہیں مگر دو چار منٹ کے اندر محبت نہیں ہوا کرتی۔

لیشیا کی محبت بھی اسی قسم کی تھی لہٰذا اسے معیاری قسم کی محبت نہیں کہا جا سکتا ہاں اگر اسے ہوس کا نام دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیشیا نے دوسرے دن ہی ڈرامہ شروع کر دیا، وہ خوب بن سنور کر روی کے سامنے آنے لگی روی نے تو اس کی کوئی پرواہ نہ کی مگر لتا کو اس کی یہ حرکت بری لگی۔ چند دن تک تو وہ برداشت کرتی رہی مگر آخر کار وہ رہ نہ سکی اور ایک دن اس سے بولی۔

"میں نے کہا لیشیا کیا بات ہے آجکل تمہارا زیادہ وقت بننے سنورنے میں صرف ہوتا ہے"

لیشیا نے کچھ تلخ لہجے میں کہا "تمہیں کچھ اعتراض ہے"

"نہیں میں نے تو ایسا نہیں کہا"

"میں نے کبھی تمہارے بننے سنورنے پر اعتراض کیا ہے"

"مجھے بننے سنورنے کی ضرورت ہی نہیں"

"عورت کا کام ہی بناؤ سنگھار کرنا ہے۔ اگر تم ایسا نہیں کرتیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکو"

"مگر بناؤ سنگھار تو کسی کے لئے کیا جاتا ہے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ کون خوش قسمت ہے۔ جس کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے جا رہے ہیں"

لیشیا نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا، "وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائیگا"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بناؤ سنگار بلا وجہ نہیں کوئی ایسا شخص موجود ہے جس کے لئے یہ تیاریاں ہو رہی ہیں"

"میرا بھی یہی خیال ہے"

یہ کہتے ہی لتا غصہ سے بھری ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ لتا کو یقین ہو گیا کہ اس کا بناؤ سنگار کوئی اتفاقیہ شے نہیں ہے وہ کسی پر ڈورے ڈال رہی ہے اور خود اس نے یہ مانا بھی ہے کہ وہ کسی کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ لتا کافی عرصہ تک اس معاملہ پر غور کرتی رہی ۔۔ عورت چاہے کتنی مخلص، نیک اور وفادار ہو۔ مگر شبہ کرنا اس کی فطرت میں شامل ہے اسے یہ شبہ ہوا کہ لتا یہ سب کچھ روی کو دکھانے کے لئے کر رہی ہے اب اس نے سوچنا شروع کیا کہ عورت بناؤ سنگار اسو قت کرتی ہے جب دوسری طرف سے اسے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روی نے اس کے بننے سنورنے کو پسند کیا ہے اگر وہ اسے ڈانٹ دیتے تو پھر لتا کو بننے سنورنے کی ہمت نہ پڑتی۔ جوگسان۔۔ لڑکی ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں رہنے کی عادی ہے اور جسے پھٹے پرانے کپڑے پہنتے رہے ہیں۔ اس کا یوں بننا سنورنا بلاوجہ نہیں ہے"

لتا کی قوت فکر ایک غلط راستے پر پرواز کر رہی تھی اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اس بناؤ سنگار کا مرکز اس کے گھر کے باہر بھی ہو سکتا ہے۔ یا وہ کسی مصلحت سے ایسا کر رہی ہے لتا ایک خاصی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اور اس قسم کی باتوں پر غور کر سکتی تھی۔ مگر جب عورت محبت میں اندھی ہو جاتی ہے تو اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو کر

رہ جاتی ہیں۔ اسے اپنے محبوب کے سوا اور کچھ سوجھتا ہی نہیں اسے یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں کوئی اس کی حق تلفی نہ کر دے۔ محبت کی دنیا میں ایسا ہوتا ہے "رقیب" کا وجود چاہنے والے یا چاہنے والی کے انہی خدشات کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر محبت سچی ہو تو رقابت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ روی کو پورے خلوص کے ساتھ چاہتی تھی۔ اور روی کی حالت بھی یہی تھی۔ وہ اکثر مرتبہ اپنے جذبات کا اظہار بھی کر چکا تھا۔ مگر لتا کی قوت فکر اپنے راستے سے بھٹک رہی تھی اور یہ ایک قدرتی بات تھی ایک دھن وان کو یہی خیال ہوتا ہے کہ کبھی چور اس کی دولت کو نہ لے اڑیں۔

ایک کسان یہ سوچتا ہے کہ اس کی زمین پر کوئی قابض نہ ہو جائے ایک مصنف یہ سوچتا ہے کہ کوئی اس کی تصنیف کو اپنے نام سے نہ چھاپ دے۔ ایک شاعر کا انداز فکر یہ ہوتا ہے کہ کوئی اس کی غیر مطبوعہ غزل یاد یا کوئی نہ اڑا لے لتا کے پاس بھی ایک دولت تھی اور وہ دولت تھا روی۔ اس لئے ساری دنیا کا اسے چور نظر آنا کچھ خلاف قیاس بات نہیں تھی۔ مگر مناسب یہی تھا کہ وہ وہم پالنے کے بجائے روی سے بات کر کے یہ معاملہ صاف کر لیتی۔ مگر اس نے اس سے ذکر کرنا اچھا خیال نہ کیا۔ وہ یہ سوچتی تھی کہ اگر اس نے روی سے معلوم کیا تو وہ اسے ڈھلمل یقین خیال کرنے لگے گا اور اس کی توقیر اس کی نظروں میں کم ہو جائے گی۔

پشپا کا اب ہر روز کا معمول تھا کہ وہ خوب بناؤ سنگار کرتی اور لتا کو دکھا دکھا کر روی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی۔ لتا جل

جل بھن کر رہ جاتی. اور خاموش رہتی ۔ لپشپا اکثر ردی کا کھانا اور ناشتہ بھی خود
لے کر جاتی ۔ وہ کھانا کھاتا رہتا یا ناشتہ کرتا رہتا اور وہ اِدھر اُدھر کی باتیں
ملاتی رہتی ۔ ردی یہی خیال کرتا کہ وہ ایک سادہ لوح کسان، لڑکی ہے اور
اس حجاب سے آشنا نہیں ہے جو ایک عورت میں ہوتا ہے یا ہونا چاہیئے
اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ ایک ڈرامہ ہے جو ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت
رچا یا گیا ہے اور اس کا نتیجہ خوفناک صورت میں رونما ہو سکتا ہے ۔ وہ
لتا کو ایک پڑھی لکھی لڑکی خیال کرتا تھا ۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسے پشپا کی
ان حماقتوں پر اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ مگر اس کی رائے غلط تھی اسے
یہ معلوم نہیں تھا کہ چاہنے والی عورت سب کچھ معاف کر سکتی ہے مگر یہ
برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی اس کے محبوب سے اس طرح گھل مِل کر
بات کرے ۔

جب پشپا ردی کا کھانا یا ناشتہ لے کر اس کے پاس پہنچتی
تو کبھی کبھار لتا بھی چھپ کر اس کے پیچھے پیچھے جاتی ۔ وہ کواڑ کی اوٹ
میں کھڑے ہو کر دیکھتی ۔ اور پشپا کو ردی سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے سنتی
وہ اپنا دل پکڑ کر واپس آجاتی ۔ ان تمام باتوں کا ردعمل یہ ہوا کہ لتا نے
ردی سے بات کرنا چھوڑ دی ۔

ایک دن جب پشپا سبزی لینے کے بہانہ سے راجندر کے پاس
ملنے گئی ہوئی تھی تو ردی نے لتا سے کہا کہ :-

" لتا آجکل تم بہت کم نظر آتی ہو "

ردی نے یہ الفاظ طنزیہ انداز میں کہے ۔ لتا نے جل کر کہا
" میں تو وہیں ہوں اگر آپ کی نظر میں کچھ فرق آ گیا ہو تو دوسری

بات ہے۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ تم بات وات نہیں کرتیں۔ کچھ ناراضگی ہے کیا؟"

"جب آپ کو بات کرنے کے لئے مجھ سے بہتر ایک اور مل گئی ہے تو میری کیا ضرورت ہے۔"

روی نے حیرت سے اسکی طرف تکتے ہوئے کہا "وہ کون"

"لیشیا اور کون"

یہ سنکر روی کو سخت غصہ آیا بولا۔ اس قسم کی بیوقوفی کی باتیں مت کیا کرو۔"

"سچی بات کہہ دی ہے نا۔ اور آپ کو یہ بیوقوفی کی بات معلوم ہو رہی ہے۔"

ان الفاظ سے روی اور بھی چڑا۔ اور اس کی بات کا جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا۔ اسے یہ توقع نہیں تھی کہ لتا اس کی نیت پر شبہ کرے گی۔ وہ اسی بات پر غور کرتا ہوا باغ کی طرف چلدیا وہ باغ کے نزدیک کے کھیت میں سے گذر رہا تھا کہ اسے ایک جگہ راجندر اور لیشیا کھڑے ہوئے نظر آئے وہ خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ راجندر نے اسکی کلائی تھام رکھی تھی۔ اور وہ بظاہر چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اور ہنس رہی تھی۔ اگر روی یہ محسوس کرتا کہ راجندر اس سے زبردستی کر رہا ہے تو وہ لیشیا کی مدد کو پہنچتا۔ اور راجندر کو سزا دیتا۔ مگر اس کا ہنسنا اس بات کا ثبوت تھا کہ راجندر اس کی رضامندی سے اسے چھیڑ رہا ہے۔

اسی اثنا میں راجندر اور پشپا نے روی کو دیکھ لیا۔ وہ جھٹ ایک پیڑ کی اوٹ میں ہو گئے۔ روی کو معلوم ہو گیا کہ اِن دونوں میں تعلقات قائم ہو چکے ہیں اگر کم از کم پشپا کی نیت صحیح ہوتی تو وہ راجندر کے ساتھ پیڑ کی اوٹ میں نہ ہو جاتی۔ روی اب بھی راجندر کو اپنا بھائی ہی خیال کرتا تھا۔ بچپن سے اب تک کی رفاقت ایسی نہیں جسے کوئی نظر انداز کر دے اور پھر راجندر نے تو اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ اس کے دل میں اب بھی اس کے لئے بے پناہ محبت تھی۔

اسے اس بات کا رنج تھا کہ راجندر انھیں چھوڑ کر چلا گیا ہے بھائی اگر ساتھ چھوڑ جائے تو وہ بھائی کے مقام سے تو نہیں گرتا۔ روی اب بھی اسے چاہتا تھا اور بے انتہا چاہتا تھا۔ اگر وہ پشپا سے شادی کرنا چاہتا تھا تو اس کو اس رشتہ پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس لئے اسے پشپا اور راجندر کی اِن چوری چھپے کی باتوں پر کوئی اعتراض نہیں تھا محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ خود اس میں اور تارا میں اسی قسم کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وہ دوسرے پر کیوں اعتراض کرتا۔

روی جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا باغ میں گھس گیا وہ کوئی گھنٹہ بھر کے بعد گھر واپس آیا۔ تارا چارپائی پر بیٹھی سوئٹر بن رہی تھی اور پشپا کھانا پکا رہی تھی۔ اوشا رانی کوئی دھارمک پستک پڑھ رہی تھی روی اپنے کمرے میں چلا گیا اور آج کے واقعات پر غور کرتا رہا۔ کبھی وہ تارا کے شبہات کے بارے میں غور کرتا اور کبھی پشپا اور راجندر کی خفیہ ملاقاتوں کے بارے میں۔ وہ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے تک ان

باتوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ اتنے میں کسی کے اندر آنے کی آہٹ سنائی دی اور وہ استغراق کے عالم سے چونکا۔ پشپا کھانا لئے سامنے کھڑی تھی مگر وہ کچھ شرماسی رہی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ روی نے اسے راجندر سے خوش گپیاں کرتے دیکھ لیا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی روی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور بولا

"لو گڑیا، جنگل راجندر کے ساتھ خوب سیر سپاٹے ہوتے ہیں"

پشپا نے کھانا ایک طرف رکھ دیا اور روی کے گلے میں ہاتھ ڈالتی ہوئی بولی۔

"بھیا معاف کیجئے گا اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں راجندر سے نہ ملوں تو میں آئندہ اس سے نہیں ملوں گی"

وہ روی کے گلے میں ہاتھ ڈالے معذرت کر ہی رہی تھی کہ لتا اندر داخل ہوئی۔ وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی اور پیچھے مڑتی ہوئی بولی۔ "معافی چاہتی ہوں کہ میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوئی۔"

روی پہلے ہی گھبرا بیٹھا تھا۔ اسے لتا کی یہ بات اور بھی بری لگی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر لتا جا چکی تھی۔ اسنے پشپا کے ہاتھ اپنے گلے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر راجندر تم سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں اسکے خلاف نہیں ہوں۔ وہ مرا بھائی ہے بلکہ اس نیک کام کو میں خود اپنے ہاتھ سے انجام دے سکتا ہوں"

پشپا نہایت مطمئن ہو گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ کھانا کھانے لگا۔ لتا کی اس حرکت سے اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس کا جی کھانے

کو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر وہ زبردستی زبردستی بار بار کہہ رہا تھا۔ آخر اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ اتنے میں پشپا اندر آئی اور بولی بھیا آج آپ نے کھانا نہیں کھایا"

"جتنی ضرورت تھی کھا لیا"

پشپا نے اور کوئی بات نہیں کی اور برتن لے کر کمرے سے نکل گئی۔ لتا ایک کونے میں اداس بیٹھی تھی۔ بظاہر اس کی نظریں ایک کتاب کے صفحات پر جمی ہوئی تھیں، مگر اس کی توجہ کسی اور طرف تھی۔ وہ آج کے واقعات پر غور کر رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ پشپا روی سے اتنی بے تکلف ہو چکی ہے کہ پیار سے اس کے گلے میں باہیں بھی ڈال سکتی ہے اس کا دل ٹوٹ چکا تھا اگر روی اسی وقت صفائی پیش کر دیتا تو بہتر ہوتا۔ مگر وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ لتا نے اس پر شبہ کر کے تنگ نظری کا ثبوت دیا ہے اور اسکی محبت کی توہین کی ہے وہ موقعہ کی نزاکت کو نہ سمجھ سکا اور اس نے لتا سے بات چیت کر کے وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

وہ شام تک اپنے کمرے میں لیٹا رہا۔ اور اسی قسم کی باتوں پر غور کرتا رہا۔ اتنے میں اوشا رانی اندر آئی اور بولی

"بیٹا کیا بات ہے طبیعت تو اچھی ہے"

"ہاں ماں جی ایسی کوئی بات نہیں ہے"

"بیٹا دو گھنٹے ہو گئے لتا کو گھر سے باہر گئے ہوئے وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی۔ میں سخت پریشان ہوں۔ پہلے تو اس نے کبھی اتنی دیر نہیں لگائی آخر کیا بات ہے"

یہ سن کر رمی پریشان ہو گیا اس نے اُسی وقت کپڑے پہنے اور لتا کو تلاش کرنے گھر سے نکلا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ لتا کہیں غلط فہمی کا شکار ہو کر کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر رہے۔ پہلے وہ باغ میں پہنچا، وہاں لتا موجود نہ تھی۔ پھر اس نے گاؤں کا کھیت کھیت چھان مارا۔ مگر لتا ہوتی تو ملتی۔

رات کی تاریکیاں چاروں طرف چھا رہی تھیں آخر وہ تھک ہار کر گھر آ گیا اور اپنی ماں سے بولا
"ماں جی لتا لوٹی ہے یا نہیں"

اوشا رانی نے کہا "نہیں بیٹا ابھی تک نہیں آئی۔ کہیں کبھی اس کا کچھ پتہ نہیں چلا"

"ماں جی میں نے اس کی تلاش میں چپہ چپہ چھان مارا۔ مگر کہیں اسکا سراغ نہیں لگا۔"

"کہیں یہ سمیرا ن کی کوئی بدمعاشی تو نہیں ہے"

"شبہ تو مجھے بھی ہے"

"پھر کیا ہو گا"

"ہو گا یہی کہ اگر مجھے اس کی بدمعاشی کا پتہ لگ گیا تو اس کی خیر نہیں پہلے پتا جی نے جان کی بازی لگائی تھی۔ اب مجھے بھی کچھ کرنا ہو گا۔ لیکن اس مرتبہ سمیرن میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکے گا۔ مگر ابھی یہ صرف شبہ ہی ہے کیونکہ چند دن پہلے لتا کو میرے بارے میں غلط فہمی سی ہو گئی تھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس بنا پر کہیں چلی گئی ہو۔ اگر یہی بات ہے تو پھر سمیرن سے الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں"

"بٹیا یہ غلطی تمہاری ہے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ اسے غلط فہمی ہوئی۔ اس نے مجھ سے ذکر بھی کیا۔ مگر بیٹا ہمارے ہاں بہوؤں میں یہ پسند نہیں کرتی کہ اس قسم کی باتیں اپنے بچوں سے کہوں۔ تم پڑھے لکھے ہو تمہیں چاہیے تھا کہ لتا کا اطمینان کرتے:

"ہاں ماں جی یہ میری غلطی ہے"

"مگر اب کیا ہوگا"

"ہاں جی آپ آ گیا دیکھیے اس کا پالن ہوگا"

"مگر بیٹا اب تو رات ہو گئی ہے کہاں جاؤ گے۔ میں شاموں کو بلا کر یہ کہتی ہوں کہ وہ ہمیوں کے ہاں جا کر معلوم کرے۔ شاموں تیز طور ہے اگر ہمیوں کی شرارت ہوئی تو وہ معلوم کرے گی اور ہم اس سے نپٹ لیں گے۔ اور اگر لتا خود ہی کہیں چلی گئی ہے تو پھر صبح اس کی تلاش میں نکلو"

"بہت اچھا ماں جی ایسا ہی ہوگا"

یہ سن کر اوشا رانی ساتھ کے کمرے میں چلی گئی۔ روی نے لیمپ کی روشنی میں دیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ روی کا بھی دل بھر آیا اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اسے لتا کے یوں غائب ہونے کا بہت صدمہ ہوا۔ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ اس نے لتا سے مل کر اس کی غلط فہمی کو دور کیوں نہیں کیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ڈرامہ راجندر کے ایما سے رچایا گیا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ لتا اور اس میں اختلافات پیدا کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جائے اگر اسے یہ علم ہوتا تو وہ پشپا کو ڈانٹ دیتا۔ اور اسے پھر اس کے

سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی ۔

روی نے لتا کو ہر چند تلاش کیا مگر اس کا کوئی سراغ نہ لگ سکا۔ پشپارانی نے شاہوں کو ہیمراج کے ہاں بھیجا۔ اس نے کافی جانچ پڑتال کے بعد یہ اطلاع دی کہ ہیمراج کا لتا کی گمشدگی میں کوئی ہاتھ نہیں ہے وہ خود کہیں چلی گئی ہے۔ اور شارانی کو سخت صدمہ ہوا۔ اس نے راجندر کو بیٹے کی طرح پالا تھا۔ جب وہ اپنے ماں باپ کے پاس چلا گیا تھا تو اسے بڑا رنج ہوا تھا۔

اب جب لتا بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تو اس نے کچھ یوں محسوس کیا جیسے اس پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ روی نے اپنی ماں کی بہت تسلی و تشفی کی اور کہا ،، ماں جی گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ لتا ناراض ہو کر کہیں چلی گئی ہے وہ ضرور واپس آ جائے گی میں خود بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا ،،

پشپارانی روی کی بات سن کر خاموش ہو گئی ۔ مگر روی نے محسوس کیا کہ ماں کو لتا کے جانے کا سخت صدمہ ہوا ہے ۔

لتا کے جانے کے کچھ دن بعد پشپا بھی چلی گئی - اپنے باپ رامو.. کے ہاں نہیں بلکہ راجندر کے ہاں، کیونکہ اس نے اسے سبز باغ دکھا رکھے تھے - اور شادی کا وعدہ کر رکھا تھا - جب رامو.. کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگا بھاگا ہردی کے ہاں پہنچا اور اوشا رانی سے بولا، سرکار!

میں کیا سن رہا ہوں"

"رامو.. کیا"

"سنا ہے پشپا یہاں سے چلی گئی ہے"

"ہاں وہ خود گئی ہے اگر کوئی اسے زبردستی لے جانے کی کوشش کرتا تو ہم ایسا نہ ہونے دیتے - پہلے میرے پتی نے جان کی بازی لگا دی تھی اور اب میرا بیٹا روی قربانی دینے کے لئے تیار تھا مگر جب وہ خود ہمیو کے یہاں پہنچ گئی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں - میرا خیال ہے کہ تم بھی اس کا خیال چھوڑ دو اور صبر شکر کر کے بیٹھ جاؤ - جو لڑکی نہ صرف تمہاری بلکہ ہماری ذلت کا باعث بنی - اس کی شکل ہمارا نہ دیکھی جائے تو بہتر ہے"

یہ سن کر رامو نے ایک سرد آہ بھری اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھتا ہوا اور اٹھتا ہوا بولا

"آپ ٹھیک کہتی ہیں مجھے ندامت ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف پہونچی ہے"

اوشا رانی اس کی بات کا کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ رامو گھر سے نکل گیا - اوشا رانی نے روی سے کہا بیٹا رامو.. کو سخت صدمہ ہوا ہے"

ہاں ہاں جی! آخر وہ باپ ہے۔ اسے صدمہ ہونا ہی چاہیے۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ پشپا اسطرح سے ہمیں اور اپنے باپ کو ذلیل کرے گی۔

روی ہر روز صبح سویرے لتا کی تلاش میں نکلتا اور شام کو تھک ہار کر ناکام واپس آجاتا۔ اس نے دس دس بارہ بارہ کوس تک کا تمام علاقہ کھنگال ڈالا مگر لتا کا سراغ اسے نہ لگ سکا۔

پشپا کئی دن تک راجندر کے ہاں رہی اسے خیال تھا کہ راجندر اس سے شادی کرے گا۔ مگر بات کچھ اور ہی نکلی۔ راجندر اور ہیمراج نے اسے اپنی ہوس کا شکار بنا لیا۔ رات ہوتی اور شراب کی محفل شروع ہو جاتی۔ دونوں باپ بیٹا ایک ساتھ پیتے...... وہ پشپا کو بھی پلاتے پہلے پہل تو اس نے انکار کیا مگر آخر کب تک وہ شراب نوشی میں ان کا ساتھ دینے لگی اور رات کے وقت ان کے لیے عیاشی کا سامان بھی مہیا کرتی۔

ہیمراج ایک موقعہ شناش اور خوشامدی قسم کا آدمی تھا سرکاری حکام سے اس نے بنا کر رکھی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ زمینداری کی تنسیخ .... کے باوجود سارے گاؤں کا مالک بن گیا تھا۔ سرکاری افسران کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے۔ جب کوئی سرکاری افسر آتا تو اس کی خوب دعوت ہوتی۔ پر تکلف کھانے تیار کیے جاتے اور رات کو شراب کی محفل آراستہ کی جاتی۔ سرکاری حکام نہ صرف شراب نوشی کرتے بلکہ کسانوں کی نوجوان لڑکیاں ان کی عیاشی کے لئے پیش کی جاتیں۔ کسان یہ سب کچھ دیکھتے مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے کسی میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ہیمراج کی ان بدکاریوں کے خلاف آواز

بلند کسے ۔ اب ان دیہاتی لڑکیوں میں پشپا بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ دوسری لڑکیوں کی نسبت زیادہ خوبصورت تھی۔ جب کوئی اس قسم کی دعوت ہوتی تو اس کی شامت زیادہ آتی۔ وہ راجندر اور ہیم راج کی عیاشیوں کا تختہ مشق بننے کے لیے تیار تھی کیونکہ اس سے نجات پانے کی اسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مگر آئے دن سرکاری اہلکاروں کے سر کی زینت بنتے بنتے وہ اکتا گئی۔ اس کا شباب چند دنوں کے اندر اندر مرجھا گیا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنس گئیں سرخ و سفید چہرے پر زردیاں لہرانے لگیں۔ وہ اس زندگی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں کرتی تھی۔ مگر مجبور تھی۔ جب اس کی جسمانی اذیتوں میں اضافہ ہو گیا۔ تو ایک دن وہ ہیم راج کے گھر سے چھپ کر نکلی اور اوشا رانی کے ہاں پہنچ گئی۔ پشپا رانی بیمار تھی اور بستر پر لیٹی ہوئی تھی روی اسکے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ جب پشپا کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا

"پشپا تم یہاں کیوں آئی ہو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ آئندہ اس گھر میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا"

اوشا رانی نے پشپا کے مرجھائے ہوئے چہرے پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی وہ چند دنوں کے اندر اندر اتنی مرجھا گئی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں اور آنکھیں بے رونق تھیں۔

اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا ۔۔ "سرکار میں چلی جاؤں گی۔ مگر میری بات تو سن لیجئے"

اوشا رانی نے نحیف آواز میں کہا "ہاں ہاں بیٹیا اس کی بات

تو سن لو۔ اس میں کیا حرج ہے "

روی نے اسکی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہو کیا بات ہے۔"

"سرکار مجھ سے دھوکا کیا گیا ہے۔"

"کیا دھوکا۔"

راجندر بابو نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا اسی لئے میں اسکے ہاں چلی گئی۔ اور آپ کا اور اپنے باپ کا دل دکھی کیا۔ وہاں پہونچی تو بات کچھ اور نکلی۔ وہاں شادی وغیرہ کا تو کوئی معاملہ نہیں تھا۔ وہ لوگ صرف مجھے میری عزت سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔ باپ بھی اور بیٹا بھی۔ اب کم و بیش مجھے ہر روز کسی سرکاری اہلکاروں کی عیاشی کے لئے پیش کیا جاتا ہے

سرکار میں اس زندگی سے اکتا گئی ہوں۔ کوئی میری مدد کرنے والا نہیں ہے اس لحاظ سے میں احسان فراموش ہوں کہ میں نے آپ کی قربانیوں کی کوئی قدر نہیں کی۔ آپ نے میری عزت بچانے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اس گھر میں محفوظ رہی۔ مگر راجندر نے مجھے ایسا شیشہ میں اتارا کہ میں آپ لوگوں سے بے وفائی کرنے کے لئے تیار ہوگئی۔

آپ یقین مانیے۔ اب میں آپکے یہاں پناہ ڈھونڈنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اور نہ شاید آپ اب ایسا کر سکیں گے۔ میں نے اپنی زندگی کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ شاید آپ آئندہ میری شکل بھی نہ دیکھ سکیں۔ میں آپ کو صرف ایک بات بتانے آئی ہوں،

روی کا دل پسیج گیا اور اس نے اسے ہمدردانہ نظروں سے تکتے

ہوئے کہا۔

"کہو کیا بات ہے"

لپشپا نے دو چار منٹ کے اندر اندر روپی کو بتا دیا کہ کس طرح اس نے راجندر کے کہنے پر اس میں اور لتا میں غلط فہمیاں پیدا کیں نتیجہ یہ ہوا کہ لتا گھر چھوڑ کر چل دی۔

لپشپا نے کہا۔ میں نے اسدن معافی مانگنے کے لیا تے آپ کے گلے میں باہیں ڈالیں وہ بھی راجندر کی ترغیب کا نتیجہ تھا۔ مطلب یہ تھا کہ لتا ہم دونوں کو اس حالت میں دیکھ لے اور اس کا شبہ اور مضبوط ہو جائے چنانچہ یہی کچھ ہوا اور لتا غائب ہو گئی۔ سرکار میں صرف اپنے پاپوں کی معافی چاہتی ہوں کیونکہ میرے مرنے کے بعد میرے یہ پاپ میری آتما کو بے چین کرتے رہیں گے کیا آپ مجھے معاف کر سکتے ہیں"

اوشا رانی نے نحیف آواز میں اسے اپنے پاس بلا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی

"بیٹی ہم نے تمھیں معاف کر دیا ہے اور سچے دل سے معاف کر دیا ہے مگر آتم ہتیا کرنا بھی تو پاپ ہے میں تمھیں ایسا کرنے کی مشورہ ہرگز نہیں دوں گی"

"ہاں جی! جب میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ پاپوں کی اس زندگی سے مجھے چھٹکارہ حاصل نہیں ہو سکتا تو آخرکار مجھے یہی کرنا ہوگا"

اوشا رانی نے روپی کی طرف دیکھا اور بولی "بیٹا پھر کیا کرنا چاہیئے"

"ہاں جی آپ حکم کیجیے اسکی تعمیل ہوگی"

ادشارانی نے پشپا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بیٹا تم پھر واپس یہاں آنے کے لیے تیار ہو"

پشپا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"ماں جی! اب میں نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہوں۔ آپ مجھے میری حالت پر چھوڑ دیجیے"

"نہیں بیٹی اگر ہم تمھارے لیے کچھ کر سکتے ہیں تو اس کے لیے تیار ہیں۔ ہم پر جو افتاد آئے گی اسے ہم دیکھ لیں گے۔"

پشپا نے ملتجیانہ نظروں سے روی کی طرف دیکھا وہ اس کا مطلب سمجھ گیا اور بولا۔

"ہاں پشپا ماں جی نے ٹھیک کہا ہے کہ اگر تم ہمارے گھر آنا چاہتی ہو تو ہم تمھارے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر ہیرو لال نے کوئی حرکت کی تو اس سے بھی ہم نبٹ لیں گے۔"

"بھیا اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو"

"ہم نے سوچ لیا ہے ماں جی نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے مناسب ہے"

"تو پھر کیا میں یہیں رہوں"

"ہاں ہاں کیوں نہیں"

پشپا واپس ہیرا جی کے مکان پر نہیں پہنچی اس کے آدمی اس کی تلاش کرتے ہوئے روی کے مکان پر پہونچے۔

روی نے ان سے کہا۔ "ہاں پشپا ہمارے ہاں موجود ہے ہم اسے

ہیمول بدمعاش کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

یہ لوگ گاؤں کے کسان ہی تھے وہ روی کے خلاف نہیں تھے
ہاں حالات کی مجبوری کے باعث انہیں ہیمراج کے اشاروں پر چلنا
پڑتا ہے۔ ایک کسان نے کہا۔

"سرکار! ہم اب بھی آپ کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں جیسی پہلے کبھی
کرتے تھے۔ بلکہ اگر ہم لوگ یہ کہیں کہ آپ کی عزت بڑھ گئی ہے تو یہ صحیح ہوگا
کیونکہ ہیمراج نے ہم پر اتنی زیادتیاں کی ہیں کہ آپ کے احسانات اور اُجاگر
ہوگئے ہیں۔ مگر ہم آپ کو یہی مشورہ دیں گے کہ آپ اس ظالم کے
منہ نہ لگیں اگر آپ کو کوئی نقصان پہونچ گیا تو ہمیں سخت افسوس
ہوگا اور ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ سرکار دربار میں اس
کی اتنی پہونچ ہے کہ ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔"

روی نے کہا "لیکن میں برائی کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں
ہوں۔ اگر میرے پتا ایک ابلا کی عزت بچاتے بچاتے اپنی جان دے
سکتے ہیں تو میں بھی ان کا بیٹا ہوں جب تک مرے دم میں دم ہے میں
پشپا کی عزت و آبرو کی حفاظت کروں گا۔"

کسانوں نے روی کو بہتر اسمجھایا۔ مگر وہ نہیں مانا۔ آخر انھوں نے
ہیمراج کو جاکر بتا دیا کہ پشپا روی کے پاس ہے اور وہ اسے حوالہ کرنے
سے انکاری ہے۔ یہ سن کر اسے سخت غصہ آیا۔ مگر اس میں اتنی
ہمت نہیں تھی کہ زبردستی پشپا کو اٹھا لائے۔ کیونکہ اس سے پہلے اسی
کے چار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ وہ صرف اتنا کہہ کر چپ ہو گیا کہ میں نے
اگر اس حرام زادے سے بدلہ نہ لیا تو میرا نام بھی ہیمراج نہیں ہے۔"

چند دن کے بعد ہیمراج نے باہر سے غنڈے بلائے اور روی کی باقی زمین اور باغ پر قبضہ کر لیا۔ روی نے اس سے پوچھا تو وہ بولا "اس جائیداد میں میرے بیٹے راجندر کا بھی حصہ ہے۔ جب تک ساری جائیداد تقسیم نہیں ہوگی میں اپنا قبضہ جاری رکھوں گا۔"

روی نے سارا واقعہ جاکر ماں سے کہا۔ اس نے کہا "بیٹا جائیداد پر خاک ڈالو۔ اتنی بڑی زمینداری ہاتھ سے نکل گئی۔ اور اگر یہ تھوڑی سی بچی کھچی جائیداد بھی جاتی رہے تو مجھے اس کا کوئی رنج نہیں ہے۔ ہاں پشپا کی عزت آبرو کی حفاظت سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر ہیمو اسے اٹھوانے کی کوشش کرے تو میں تجھیں اس کا مقابلہ کرنے کی پوری پوری اجازت دیتی ہوں۔ محض تھوڑی سی زمین کے لئے ہیمراج کے منہ لگنا اچھی بات نہیں ہے۔"

روی یہ سن کر خاموش ہو گیا پھر اس نے کبھی ہیمراج سے اپنی جائیداد کا مطالبہ نہیں کیا۔ اس کے غنڈے کئی دن تک گاؤں میں رہے کیونکہ اسے فساد کا خطرہ تھا۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور اس نے غنڈوں کو انعام دے کر واپس بھیج دیا۔ مگر اس سے ہیمراج کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اور وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ روی اس کی من مانی کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔

ایک دن روی کسی کام سے دوسرے گاؤں گیا ہوا تھا۔ کہ ہیمراج نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور روی کے مکان پر دھاوا بول دیا اس کے ساتھ کئی غنڈے تھے۔ ہیمراج نے اندر گھس کر پشپا کو کلائی سے پکڑ لیا۔ اس نے شور مچا دیا۔ اوشا رانی سو رہی تھی۔ وہ

پلنگ سے اٹھ کر باہر آئی اور لیشپا کو بچاتی ہوئی بولی ۔ "دشٹ اب تم میں اتنی ہمت ہوگئی ہے کہ تم ہمارے گھر میں گھس سکتے ہو"

ہیم راج نے چیخ کر کہا ۔ "بڑھیا تو بیچ سے ہٹ جا ۔ ورنہ تیری خیر نہیں"

اوشا رانی بیماری کی وجہ سے کافی لاغر ہو چلی تھی مگر اس نے ایک ڈنڈا اٹھا کر ہیم راج کی کمر میں جڑ دیا ۔ ہیم راج اپنی کمر کو سہلاتا ہوا اوشا رانی کی طرف لپکا اس نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دور جا گری اس کا سر چارپائی کے پائے سے ٹکرایا ۔ لاغر تو وہ پہلے ہی تھی گرتے ہی اس کا دم نکل گیا ۔

ہیم راج لیشپا کو زبردستی اٹھا کر لے گیا ۔ آس پاس کی عورتیں اوشا رانی کی لاش کے پاس آکر بیٹھ گئیں ۔ شام کے وقت رودی گھر آیا تو اسے گھر میں سنسان مجھی ہوئی دکھائی دی ۔

جب اسے سارے حالات معلوم ہوئے تو وہ طیش میں آگیا ۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں ۔ اسنے تلوار نیام سے نکالی اور دیوانہ وار ہیم راج کے مکان کی طرف بھاگا ۔ ہیم راج اور رودھیر کو اس خطرے کا احساس تھا اس لیئے وہ دونوں لیشپا کو لے کر کہیں جا چھپے تھے اس کے گھر میں کچھ غنڈے موجود تھے ۔ انھوں نے رودی کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ۔ مگر رودی نے ہمت سے کام لے کر تلوار کے ایسے ہاتھ دیئے کہ پانچ غنڈوں کے سر اڑا دیئے دو چار شدید زخمی ہوئے اور باقی نے بھاگ کر جان بچائی ۔

رودی کے منہ سے جھاگ بہہ رہے تھے وہ خون آلود تلوار ہاتھ

میں دھاڑتے واپس گھر پہنچا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا اور منہ سے جھاگ بہہ رہے تھے۔ گاؤں کا ایک نوجوان اس کے پاس آیا وہ رودی کا ہمدرد تھا اس نے کہا۔ "سرکار ایک بات کہوں"

رودی نے درشت لہجے سے کہا "کہو"

"آپ فوراً یہاں سے کہیں چلے جائیے۔ ورنہ پولیس آپ کو گرفتار کر لے گی۔"

"تو کیا میں اپنی ماں کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔ کیا میں بزدل ہوں"

"جو شخص اکیلا پانچ آدمیوں کے سر اڑا سکتا ہے دو چار کو شدید زخمی کر سکتا ہے اسے کوئی بزدل نہیں کہہ سکتا۔ یہ لاش آپ کی ماں کی نہیں ہماری ماں کی ہے۔ ہم اس کا انتم سنسکار کریں گے۔ آپ اپنی جان بچائیے اگر ماں جی زندہ ہوتیں تو وہ بھی آپ کو یہی مشورہ دیتیں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نوجوان نے رودی کے پاؤں پکڑ لیے۔ رودی نے اسے گھورتے ہوئے کہا

"تو کیا میں ہیراج سے انتقام نہ لوں"

یہ سن کر نوجوان نے رودی کے کان میں کچھ کہا اور وہ مطمئن ہو گیا اس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا

"ٹھیک ہے اچھا۔ میری ماں کا انتم سنسکار اچھے ڈھنگ سے ہو۔"

"آپ فکر نہ کیجیے۔ ایسا ہی ہو گا"

یہ سن کر رودی نے خون آلود تلوار نیام میں ڈالی اور اپنی ماں

کی لاش کے نزدیک پہنچا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اس نے جھک کر اپنی ماں کے پاؤں چومے اور ان پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "ماں جی! میں مرنے سے پہلے اس سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنی ماں کی لاش پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور گھر سے باہر نکل گیا۔ رات ہو چکی تھی نتھو کچھ دور تک اس کے ساتھ گیا پھر واپس آگیا۔

روی تلوار بغل میں دبائے ولت کی تاریکی میں غائب ہو گیا

ہیراج اور راجندر کئی دن تک غائب رہے وہ اپنے ساتھ لیشپا کو بھی لے گئے تھے اور وہاں پہنچ ان کے ایک آدمی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ روی نے کئی آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا ہے۔ اور خود کہیں غائب ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود انھیں جبال پور واپس آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پولیس نے ان کی غیر حاضری

میں جمال پور آکر قتل کی وارداتوں کی تفتیش کی۔ اور موقعہ کے گواہوں کے بیانات درج کئے۔۔۔ سب نے یہی کہا کہ روی نے دیرینہ دشمنی کی بنا پر ہیمراج کے اتنے آدمیوں کو قتل کر دیا اور اتنے آدمیوں کو زخمی کر دیا۔

پولیس نے روی کو مفرور قرار دیدیا اور اپنی تفتیش مکمل کر کے واپس چلی گئی۔ مگر ہیمراج اور راجندر اسی گاؤں میں چھپے ہوئے تھے وہ ڈرتے تھے کہ اگر وہ واپس گاؤں لوٹے تو روی موقعہ پاکر ان پر حملہ کرے گا اور وہ زندہ نہیں بچیں گے۔ وہ کئی دن تک اسی گاؤں میں چھپے رہے۔ پھر انھوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو درخواست دی کہ انہیں جان کا خطرہ ہے اس لئے ان کی حفاظت کا بندوبست کر دیا جائے

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پولیس کے پانچ مسلح سپاہی اور ایک حوالدار اس گاؤں میں رہنے کے لئے مقرر کر دیئے۔

ہیمراج واپس جمال پور آگیا اس نے کوٹھی کے ایک حصہ میں پولیس والوں کو ٹھہرا دیا عیش و نشاط کی محفلیں پھر شروع ہو گئیں اب ان محفلوں میں پولیس کے آدمی بھی شریک ہو گئے۔ ساری ساری رات شراب اڑتی ننگی عورتوں کے ناچ ہوتے اور بدکاری ہوتی۔

اسے روی کا کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ ایک دن ہیمراج نے منشو کو بلایا اور بولا " بے وہ لونڈا تو تمھارا دوست تھا، کہاں ہے وہ "

" منشو نے ہاتھ جوڑ کر کہا " ہاں سرکار میں اس کی دوستی سے تو انکار نہیں کرتا مگر میرا قصور کیا ہے "

ہیمراج نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا ،، تقصود کے بچے میں پوچھتا ہوں وہ ہے کہاں "

" سرکار آپ کو معلوم ہے وہ اتنے آدمیوں کو قتل کر کے بھاگا ہے میری اطلاع کے مطابق وہ یہاں سے کانپور پہنچا اور وہاں اس نے گرفتاری کے ڈر سے خودکشی کر لی "

" تمھیں یقین ہے کہ اس نے خودکشی کر لی "

" ہاں سرکار مجھے یقین ہے اگر وہ خودکشی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا اور اسے یقیناً اپنے باوا کی طرح پھانسی کی سزا ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ اس کی خودکشی کا ذکر کانپور کی پولیس کے ریکارڈ میں لکھا ہے جس نے اس واردات کی تفتیش کی تھی "

" کیا تم میرے ساتھ اس واقعہ کی تحقیق کے لئے کانپور جا سکتے ہو "

" ہاں ہاں میں تیار ہوں "

دوسرے دن تقصو ہیمراج کو لے کر کانپور روانہ ہو گیا۔ کانپور پولیس کے ریکارڈ میں واقعی ردی کا والد حیدر کانٹ کی خودکشی کا ذکر تھا۔ حسب شخص کے یہاں وہ کانپور میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے پولیس کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا کہ ردی نے گرفتاری کے ڈر سے خودکشی کر لی بلکہ اسی شخص نے ردی کی خودکشی کی اطلاع پولیس کو دی تھی

ہیمراج کو اطمینان ہو گیا کہ ردی اب اس دنیا میں موجود نہیں اور اسے گھبرانے کی ضرورت چاہ نہیں۔ اسے تحقیق کے لئے یہاں تک پڑھ جاتا تھا۔ کہ دو مہینے ہونے والے تھے اور پولیس واپس جانے والی تھی۔

جس دن پولیس والوں کو جمال پور سے روانہ ہونا تھا اس سے ایک دن پہلے ہیم راج نے ان لوگوں کو ایک شاندار دعوت دی اچھے اچھے کھانے تیار کروائے گئے۔ شراب کا بندوبست کیا گیا اور نوجوان لڑکیوں کے ننگے ناچ تو معمولی حیثیت رکھتے تھے۔

دوسرے دن پولیس والے بوریہ بستر اٹھا کر جمال پور سے چلے گئے اور ہیم راج اطمینان سے رہنے لگا۔ اس سے کوئی مہینہ بھر بعد کی بات ہے ہیم راج کے کچھ دوست اس سے ملنے کے لئے گاؤں پہنچے ہیم راج نے ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ رات کو شراب کی محفل آراستہ ہوئی۔ کسانوں کی نوجوان لڑکیاں بلائی گئیں۔ شراب کا دور شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ناچ شروع ہو گیا۔ بدکاری کا سلسلہ بھی چلتا رہا جب... رات کے بارہ بجے تو ایک شخص کمرے میں داخل ہوا وہ گاؤں کا کسان بچھو تھا۔ ہیم راج کو اس کا یوں آزادانہ کمرے میں گھسنا بہت برا لگا اور اسے ڈانٹتے ہوئے بولا

"تم بڑے حرامزادے ہو۔ بلا اجازت کمرے میں کیوں گھسے؟"

بچھو خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔ "سرکار غضب ہو گیا"

ہیم راج گھبرا گیا اور بولا "کیا بات ہے"

"سرکار ڈاکوؤں نے سارے مکان کو گھیر لیا ہے۔ اور وہ یہاں آنے ہی والے ہیں۔ آپ اپنی جان بچائیے سرکار"

یہ سنتے ہی بھگدڑ مچ گئی اور عیش و نشاط کی محفل برہم ہو گئی۔ سب بھاگنے ہی والے تھے۔ کہ سامنے کا بڑا دروازہ کھلا اور روبی فوجی

وردی میں ملبوس اور ریوالور ہاتھ میں لئے کمرے میں داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے دونوں طرف دو دو رائفل مین تھے۔ انہیں دیکھتے ہی سب کا خون خشک ہو گیا۔

روی نے کڑک کر کہا ,, اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ کوئی شخص یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ میرے آدمیوں نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے سب اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔ اور بھاگنے کی کوشش مت کرو۔ ہیم راج راجندر اور ان کے مہمان پتھر کے بت بنے اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ اور ان کے پاؤں ایک ہی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔

روی ریوالور ہاتھ میں لئے سب سے پہلے راجندر کی طرف بڑھا۔ اس نے اسے کلائی سے پکڑ کر کمرے کے بیچ میں گھسیٹ لیا وہ بولا۔

" نمک حرام آخر کمین ہی نکلا۔ تو نے میری ماں کے دودھ کی توہین کی۔ تو بھی تو ہیجوں کے ساتھ جارے گھر میں گیا تھا۔ تیری موجودگی میں ہیجوں نے میری ماں کو دھکا دیا اور تو نے اسے اس حرکت سے منع نہیں کیا۔"

راجندر نے کانپتے ہوئے کہا " بھیا میں معافی چاہتا ہوں"

" میں تمھیں بھیا سمجھتا اپنی توہین خیال کرتا ہوں سب سے بڑے قصوروار تم ہو۔ تم آستین کے سانپ ثابت ہوئے تم نے میری ماں کا دودھ پیا اور آخر کار کمینے پن کا ثبوت دیتے ہوئے سارے خاندان کو تباہ و برباد کرا دیا۔ تمھیں کسی حالت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔

تھیں معاف کرنا انسانیت پر ظلم کرنے کے برابر ہے"

یہ کہتے ہوئے روی نے راجندر کی کنپٹی میں گولی داغ دی اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا

ہیمراج نے بھاگنے کی کوشش کی مگر روی نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ وہ اس کی چھاتی پر بیٹھا ہوا بولا۔

" نمک حرام تو نے ساری عمر ہمارا نمک کھایا اور ہماری ہی تباہی پر تو نے کمر باندھ لی۔ یہانتک کہ تو نے ہماری غیرت کو چیلنج کیا"

یہ کہتے ہوئے روی نے اس کی چھاتی پر گولی داغ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

باپ بیٹے کی لاشیں تڑپ رہی تھیں اور دوسرے لوگ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ روی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں کی جان بخشی کی جاتی ہے۔ فوراً یہاں سے نکل جاؤ اور آئندہ اس گاؤں کا رخ نہ کرنا"

یہ سنتے ہی رائفل میں دروازہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے ہیمراج کے مہمان ایک ایک کر کے کمرے سے نکل گئے۔ کمرے کے کونے میں ننگی لڑکیاں سہمی بیٹھی تھیں۔ روی نے دوسری طرف منہ کر لیا۔ اور بولا

" لڑکیو کپڑے پہن لو"

سب لڑکیوں نے جلدی جلدی کپڑے پہن لئے اور کمرے سے نکلنے لگیں ایک لڑکی روی سے لپٹ گئی اور بولی " بھیا"

روی نے کہا " پشپا تم "

" ہاں میں پشپا ہوں "

یہ سن کر روی کچھ پریشان سا ہوا وہ کچھ دیر تک خاموش رہا

پھر بولا۔

"لشپا میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں"

"بھیا آپ نے میرے لئے بہت کچھ کیا مگر میں بدنصیب ہوں میں ان شیطانوں کی حیوانیت سے نہ بچ سکی۔ بھیا اب میں یہاں نہیں رہنا چاہتی"۔

"لیکن لشپا میں تو ایک ڈاکو ہوں۔ تم میرے ساتھ جنگلوں کی خاک کیوں چھانو گی۔"

لشپا نے روتے ہوئے کہا "بھیا میں پریشان ہو گئی ہوں مجھ پر اتنا ظلم کیا گیا ہے کہ تمھارے سوا ساری دنیا مجھے ظالم نظر آتی ہے۔ بھگوان کے لئے مجھے اس نرک سے نکالو"

"لیکن جو پاپ کی جڑ تھے انھیں تو ٹھکانے لگا دیا گیا ہے اب تمھیں کیا خطرہ ہے"

"یہ صحیح ہے۔ مگر میں کہہ چکی ہوں کہ ظلم کی انتہا ہو چکی ہے اب مجھے کسی پر بھروسہ نہیں رہا۔ پرماتما کے لئے سہارا کر دو"

"تو کیا میرے ساتھ چلو گی"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں"

"بہت اچھا چلو"

روی اور اس کے دونوں ساتھی کمرے سے باہر آ گئے لشپا ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ گھر کے چاروں طرف ڈاکو گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ روی نے ایک گھوڑے پر لشپا کو سوار کیا

اور دوسرے گھوڑے پر خود سوار ہو گیا۔ اس نے سیٹی بجائی اور سب گھوڑے دوڑاتے ہوئے گاؤں سے چلے گئے۔ گاؤں کے لوگ ایک طرف چپ چاپ کھڑے تھے اور ڈاکوؤں کو تک رہے تھے رودی کے حکم کی دیر تھی کہ سب ڈاکو رات کی تاریکیوں میں غائب ہو گئے۔"

چمبل کی گھاٹی موضع جمال پور سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر تھی سارے ڈاکو... گھوڑے دوڑاتے ہوئے چمبل کی گھاٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سب سے آگے رودی تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے پشپا گھوڑے پر سوار آ رہی تھی۔ اس کے لئے ایک ڈاکو نے گھوڑا خالی کر دیا تھا۔... دوسرے ڈاکو پیچھے گھوڑوں پر سوار آ رہے تھے۔

رودی کو ڈر تھا کہ شاید پشپا گھوڑے پر سوار ہو کر اپنا توازن نہیں رکھ سکے گی مگر وہ ایک کسان کی لڑکی تھی اور کئی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے رودی کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔۔۔ رات کے ایک بجے کے چلے ہوئے سب لوگ کوئی ساڑھے تین بجے چمبل کی گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ جنگل میں کافی کوئی دو میل تک آگے بڑھنے کے بعد وہ ایک نشیب جگہ میں رک گئے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑی ٹیلے تھے جو فصیل کا کام دیتے تھے

کچھ ڈاکو پہلے سے ان کے آنے کے منتظر تھے۔ انہوں نے ان سب کو گھوڑوں سے اتارا اور گھوڑے ایک طرف باندھ دیئے۔ پھر وہ ایک گپھا میں گھس گئے جو بہت لمبی چوڑی تھی۔ اس میں رودی اور اس

کے ساتھیوں کا مسکن تھا۔

روی نے پشپا کے لئے ایک طرف بستر لگا دیا اور بولا "پشپا کھانا کھا چکی ہو"

"ہاں بھیا میں کھانا کھا چکی ہوں"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر نہیں کھایا ہو تو پندرہ بیس منٹ میں تیار ہو سکتا ہے۔

"نہیں بھیا مجھے بھوک نہیں ہے"

پشپا روی کے ساتھ آ تو گئی تھی۔ مگر وہ ڈر رہی تھی کہ اگر سماج میں اس کے ساتھ ظلم ہوتا رہا ہے تو نہ جانے سماج کے راندے ہوئے یہ ڈاکو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ وہ روی کے متعلق جانتی تھی کہ وہ ایک نیک انسان ہے مگر اب جبکہ وہ ڈاکو بن چکا تھا تو اس کا خیال تھا کہ اس نے خاندانی شرافت ترک کر دی ہوگی۔ مگر یہاں ڈاکوؤں کے ڈیرے میں آکر اسنے عجیب منظر دیکھا کچھ مشعلیں روشن تھیں سب ڈاکو اس کے آس پاس سے گذر رہے تھے مگر کوئی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔

ہاں کبھی کبھار کوئی عمر ڈاکو اسے بیٹی کہہ کر پکارتا اور نوجوان اسے دیدی کہدیتا۔ مگر نظریں سب کی نیچی رہتیں۔ پشپا حیران تھی کہ انسانی سماج کے ٹھکرائے یہ انسان کتنے شریف ہیں۔ مگر لوگ انہیں ڈاکو کہتے ہیں۔

رات کے چار بج چکے تھے۔ سب ڈاکوؤں نے اشنان کیا پھر پوجا پاٹھ میں لگ گئے کوئی سمادھی لگا کے بیٹھا تھا کوئی گیتا کا

پاٹھ کر رہا تھا۔ اور کوئی قرآن کی تلاوت کر رہا تھا۔

روپا نے اس سے آہستہ سے کہا "پشپا تم سو جاؤ۔ تمھیں نیند آرہی ہوگی۔ ہم لوگ رات کو جاگنے اور دن کو سونے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم پوجا پاٹھ سے فارغ ہوکر سو جائیں گے۔ جاؤ تم اپنے بستر پر جاکر آرام کرو۔"

پشپا اپنے بستر پر جاکر لیٹ گئی۔ کچھ دیر تک وہ سب کو پوجا پاٹھ کرتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئی۔

جب وہ صبح اٹھی تو کوئی آٹھ بج رہے تھے۔ تمام ڈاکو ادھر اُدھر اپنے بستر بچھائے سو رہے تھے اس کے اٹھتے ہی ایک نوجوان لڑکا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر بولا "دیدی اشنان کیلئے پانی تیار ہے اس کے بعد ناشتہ کر لیجئے۔"

گپھا کا ایک کونہ چاروں طرف سے چٹانوں سے گھرا ہوا تھا اس سے ڈاکو غسل خانہ کا کام لیتے تھے۔ نوجوان نے پشپا کو غسل خانے تک پہنچا دیا۔ اندر گرم پانی کی بھری ہوئی بالٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ پشپا نے اشنان کیا اور کپڑے پہن کر واپس آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی تو اس نوجوان نے ایک چھوٹی سی تپائی لاکر اس کے سامنے رکھ دی اور کچھ پراٹھے اور گرم دودھ اس پر رکھ دیا۔ پشپا نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ لوگ کب اٹھیں گے"

نوجوان نے مودبانہ لہجہ میں کہا۔ " دیدی یہ کوئی دس گیارہ بجے اٹھیں گے۔ اسی وقت ناشتہ کریں گے۔"

ناشتہ کرنے کے بعد پشپا نے اس نوجوان سے کہا، " کھانا کہاں پکاتے ہیں آپ لوگ۔"

" دیدی گپھا کے باہر ایک کھلی جگہ ہے وہیں کھانا پکتا ہے۔"

" تو کیا میں کھانا پکانے میں آپ لوگوں کی مدد کر سکتی ہوں۔"

" نہیں دیدی آپ یہ کشٹ نہ کیجیے۔ سیوا کرنے کا سوبھاگیہ ہمیں ہی پراپت ہونا چاہیے۔"

" آخر میرے کرنے کے لئے بھی تو کوئی کام ہونا چاہیے۔ ورنہ میں اکتا جاؤں گی۔"

" لیکن اگر کام میں آپ نے ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تو بھیا ناراض ہو جائیں گے۔"

" بھیا کون۔"

" روی بابو اور کون۔"

" اچھا روی بابو۔ میں بھی انھیں بھیا ہی کہتی ہوں اور وہ میرے بھیا ہی ہیں۔ وشواس رکھو میرے کام کرنے سے وہ ناراض ہو نہ گے۔"

" پھر آپکی اچھا۔"

نوجوان نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔ نوجوان پشپا کو لے کر گپھا کے باہر آ گیا وہاں کئی لوگ کھانا پکانے کی تیاریاں کر رہے تھے کوئی دال دھو رہا تھا کوئی مصالحہ پیس رہا تھا کوئی برتن صاف کر رہا تھا اور

گویی بھی چولھوں میں آگ جلا رہا تھا۔

لیشیا نے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کتنے آدمیوں کا کھانا پکتا ہے۔"

"ویدی سا ٹھ آدمیوں کا پکتا ہے"

"لیکن میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔"

"میرا نام گیرش کمار ہے"

"پھر میں کیا کام کروں"

"جو آپ کی اچھا ہو"

"اچھا پہلے دن تو میں برتن صاف کروں گی۔ کل سے دیکھا جائے گا"

جو آدمی برتن دھو رہا تھا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بڑے ادب سے بولا۔ "ویدی اگر آپ کی یہی اچھا ہے تو ہمیں کیا آپتی ہو سکتی ہے"

لیشیا برتن دھونے لگی وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ ڈاکوؤں کی اس بستی میں کتنا سکون ہے۔ کتنا خلوص ہے۔ کتنی بے غرضی ہے۔ اور کتنی شرافت ہے اور شرافت کے ٹھیکیداروں کے سماج میں کیا کچھ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس پر نرک اور جہنم کا گمان نہ ہو۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ شرافت کا معیار کیا ہے وہ ایک ان پڑھ لڑکی تھی، اس کی قوت فکر اس زاویہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی ورنہ اسے معلوم ہو جاتا۔ کہ ڈاکوؤں کے بھیس میں یہ لوگ درحقیقت کیا ہیں اور انسانی سماج میں بسے ہوئے بظاہر شریف کیا ہیں۔

گیارہ بارہ بجے تک کھانا بھی تیار ہو گیا اور ناشتہ بھی۔ ڈاکو
بھی بیدار ہو گئے۔ روی آنکھیں ملتا ہوا کمرے سے نکلا اور لیشیا کو
کام میں مصروف دیکھ کر بولا۔ "لیشیا یہ کیا۔ تمہیں یہ کشٹ کرنے کی
ضرورت نہیں۔"

لیشیا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "بھیا جب میں یہاں رہوں گی
تو اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا ورنہ
میں پریشان ہو جاؤں گی"

روی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں نہیں تمہیں ہرگز پریشانی نہیں
ہوگی۔ اگر تم کام ہی کرنا چاہتی ہو تو شوق سے کرو آج سے تم اپنے
آپ کو ہیڈ باورچی سمجھو۔ مرا مطلب ہے اپنے ہاتھ سے چاہے کوئی کام کرو
یا نہ کرو۔ صرف حکم چلاتی رہا کرو۔ دس آدمی تمہارے حکم کی تعمیل کرنے کیلئے
موجود ہیں۔ یہ کام کوئی کم نہیں ہے۔" یہ کہہ کر روی ہنسنے لگا۔

کرشن کمار بولا "ہاں دیدی! ہم سب لوگ دیدی کی آگیا کا پالن کریں گے
اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے ہاتھ سے کھانا بھی اچھا تیار ہوگا"

لیشیا نے دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر سارے ڈاکوؤں کو ناشتہ
کرایا اگر کسی کو پانی کی ضرورت پڑتی تو وہ خود لاتی۔ ناشتہ کرانے
کے بعد ڈاکو ادھر ادھر ٹہلنے کے لئے نکل گئے۔ کوئی دو گھنٹے بعد
انہوں نے کھانا کھایا اور پھر ان کی خاص نشست شروع ہو گئی جس
میں یہ طے کیا جانا تھا۔ کہ آج کا بڑا کام کیا ہوگا۔"

نشست برخاست ہوئی تو روی لیشیا کے پاس آیا اور بولا
"لیشیا تمہارے پاس پہننے کیلئے صرف ایک جوڑا کپڑے ہیں مگر اس سے

مگر اس سے تو کام نہیں چلے گا۔ بتاؤ تمھیں کیا کیا کپڑا چاہیئے اور کتنے جوڑے چاہئیں۔ کل صبح تک مہیا ہو جائیں گے

پشپا نے کہا "دو ہی جوڑوں سے کام چل جائیگا"

روی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں۔ کافی نہیں کم سے کم آدھ جوڑے تو ہونے چاہئیں"

پشپا نے کوئی جواب نہیں دیا پھر روی نے اپنے ایک ساتھی کے کان میں کچھ کہا وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ پشپا نے اسے کپڑوں کا ناپ دیدیا تھا۔

پشپا نے روی سے کہا "بھیا آپ کہتے ہیں آپ ڈاکو ہیں"

"ٹھیک تو کہتا ہوں"

"مگر آپ ڈاکو ہیں تو پھر آپنے جال پور میں مہاراج کے گھر کو کیوں نہیں لوٹا۔ اگر آپ لوٹتے تو آپکے ہاتھ کم سے کم ایک لاکھ روپے کی نقدی اور زیورات ملتے"

وہ ہنس پڑا اور بولا "پشپا تم بھی بڑی بھولی لڑکی ہو ہم لوٹنے والے ڈاکو نہیں"

"پھر آپ کس قسم کے ڈاکو ہیں"

"ہمارا کام ان کمینوں کو سزا دینا ہے جنھوں نے انسانی سماج کو اپنی زیادتیوں کا شکار بنا رکھا ہے وہ ہم نے کر کے دکھا دیا مہاراج کو بھی ختم کر دیا اور اسکے بیٹے کو بھی۔"

پھر آپ اپنی گذر بسر کیسے کرتے ہیں"

پشپا یہ ایک راز ہے سردست میں تمھیں بتانا نہیں چاہتا تم یہاں رہو گی تو تمھیں از خود معلوم ہو جائیگا" یہ کہتے ہوئے روی نے ایک قہقہہ لگایا اور گپھا کے اندر چلا گیا۔

رات کے وقت ردی اور اس کے ساتھی ڈاکوؤں نے کھانا کھایا اور معمول کے مطابق پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر چلد یئے

پشپا ان کے جانے بعد اپنے بستر پہ جا کر لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ڈاکوؤں کا یہ مسکن کتنا پرسکون ہے شریفوں کی دنیا میں تو ایک نوجوان اور حسین عورت کی طرف اٹھنے والی حریفانہ نظروں کی کمی نہیں۔

مگر بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کی اس بستی میں ایسی کوئی بات ہی نہیں، جب کوئی مرد اس کے سامنے سے گذرتا ہے اس کی نظریں خود بخود جھک جاتی ہیں۔ اور اگر وہ کسی سے بات کرتی ہے تو وہ انتہائی ادب سے...... بات کا جواب دیتا ہے

پشپا کافی رات گئے تک اسی قسم کی باتوں پہ غور کرتی رہی۔ مگر شریفوں کی بستیوں اور ڈاکوؤں کی بستیوں میں جو اسے تفاوت نظر آیا اس کا نفسیاتی پس منظر اسے معلوم نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ ایک سادہ لوح کسان کی لڑکی تھی۔ اور اس کا دماغ اس قابل نہیں تھا۔ کہ وہ ان باتوں کا نفسیاتی تجزیہ کر سکے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ ہندوستان کا سماج غلط قسم کی رہنمائی اور تفاوت کی وجہ سے انواع و اقسام کی برائیوں کا

مرکز بن چکا ہے اور جو لوگ ان برائیوں کے خلاف احتجاج کی آواز بلند کرتے ہیں۔ ان کے لئے یہ شریفانہ انسانی سماج تنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے آپ کو بچانے کیلئے جنگلوں اور گھاٹیوں میں پناہ لینا پڑتی ہے۔ اور وہ ڈاکو کہلاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو فطرتاً ڈاکو ہوں اور انھوں نے اس کام کو پیشہ کے طور پر اپنا رکھا ہو۔ مگر واقعات شاہد ہیں کہ زیادہ ڈاکو اس قسم کے ہیں جو انسانی سماج کی برائیوں کے خلاف احتجاج کرنے کی وجہ سے مفرور ہیں۔ اور جنگل اور گھاٹیوں میں پناہ گزیں ہیں۔ کیونکہ موجودہ سماج کا تقاضا یہی ہے کہ برائیوں اور بے راہرویوں کو برداشت کرو۔ مگر اس کے خلاف آواز بلند نہ کرو۔

لیتیا نے یہ تو محسوس کر لیا کہ ڈاکوؤں کی یہ بستی شرفاء کی بستیوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ مگر ایسا کیوں ہے۔ یا یہ لوگ اپنی نیک سرشت کے باوجود ڈاکو کیوں کہلاتے ہیں۔ اور سماج کے ٹھیکیدار اپنی بدمعاشیوں کے باوجود شرفاء کیوں سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بات... اسکی سمجھ میں نہ آ سکی۔

اپنے عامیانہ دماغ سے اس قسم کی باتوں پر غور کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نیند آ گئی۔ اور وہ گہری نیند سو گئی۔ جب وہ بیدار ہوئی تو صبح کے سات آٹھ بج چکے تھے اور ایک نوجوان اس کے سامنے آنکھیں جھکائے کھڑا تھا۔ وہ بولا۔

"دیدی ناشتہ لاؤں"

"بھیا کہاں ہیں"

"وہ رات کو ذرا دیر سے آنے کی وجہ سے اب تک سو رہے ہیں نہ جانے وہ کب اٹھیں آپ تو ناشتہ کر لیجیے۔"

"بہت اچھا ناشتہ لے آؤ۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ نوجوان ناشتہ لے کر آگیا۔ پشپا

پشپا ناشتہ کرنے لگی۔ اتنے میں ایک ڈاکو اس کے پاس آیا اور ادب سے اسے نمستے کرتے ہوئے بولا

"آپ کے کپڑے تیار ہو گئے ہیں"

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سوٹ کیس پشپا کے سامنے رکھ دیا۔ یہ ڈاکو وہی تھا جسے روہی نے کل اس کام سے بھیجا تھا۔

پشپا ناشتہ کرنے کے بعد گپھا سے نکلی اور باہر کھلے میدان میں آگئی۔ وہاں گیہوں کی بوریوں اور دوسری ضرورت کی اشیاء کے انبار لگے ہوئے تھے۔

ایک ڈاکو نے اس سے کہا "دیدی راشن ختم ہو گیا تھا۔ بھیا اور ان کے ساتھی کل رات راشن لینے ہی گئے تھے۔"

پشپا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور کھانا تیار کرنے کے کام میں مصروف ہو گئی۔ کوئی بارہ بجے کے قریب ناشتہ اور کھانا تیار ہو گیا تھا

اتنے میں سارے ڈاکو سیدھا ہو گئے۔۔۔ اور باہر

آگئے۔ سب نے مل کر ایک ساتھ ناشتہ کیا۔

لیشپا ناشتہ تقسیم کر رہی تھی اور دوسرے لوگ اسے دسترخوان پر چن رہے تھے جب سارے ناشتہ کر چکے تو روی لیشپا کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ اور اس کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے بولا "لیشپا.... آج ناشتہ کا مزہ آگیا" لوگ صحیح کہتے ہیں کہ کھانا پکانا مردوں کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کام عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔"

لیشپا نے...... مسکراتے ہوئے کہا "واقعی بھیا آپ صحیح کہتے ہیں"

"مجھے غلط بیانی کرنے کی کیا ضرورت ہے" یہ کہہ کر روی مسکرانے لگا۔

لیشپا نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا "بھیا اتنا سامان کہاں سے آئے"

"بھیا پرماتما دینے والا ہے۔ وہ سب کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔"

"لیکن لوٹ کے مال کو بھی کیا پرماتما کی دین کہا جا سکتا ہے"

یہ سن کر روی پریشان سا ہو گیا اور کچھ تامل کے بعد بولا لیشپا ہم لوٹ مار کرنے کے لئے کبھی نہیں جاتے"

"پھر اتنا سامان کہاں سے آگیا"

"کہہ تو دیا کہ پرماتما دینے والا ہے"

"مگر پرماتما چھپر پھاڑ کر تو نہیں دیتا۔ آخر کوئی نہ کوئی وسیلہ تو ہونا چاہیئے۔"

"ہاں یہ تم نے صحیح کہا ہے۔ بغیر وسیلے کے کوئی بات نہیں ہوتی۔ مگر یقین مانو ہم کسی شریف انسان کی دل آزاری نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی کبھی کبھار مدد کر دیتے ہیں"۔

پشپا نے اب بات کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"بھیا ایک بات سمجھ میں نہیں آئی"

"کیا بات"

"ہم نے تو یہ سنا تھا کہ آپ نے آتم ہتیا کر لی ہے۔ چنانچہ ہمیں نتھو کو ساتھ لیکر کانپور جانا پڑا۔ وہاں پولیس کے کاغذات سے اس بات کی تصدیق ہو گئی۔ کہ آپ خودکشی کر چکے ہیں۔ جب گاؤں والوں نے یہ سنا تو سب کو دکھ ہوا۔ مگر حیرت تو یہ ہے کہ آپ دوبارہ زندہ کیسے ہو گئے۔ یہ معمہ کم سے کم میری سمجھ میں تو آ نہیں سکا"

روی کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ اور بولا۔ "پشپا تم بہت بھولی ہو۔ یہ اصل میں ایک ڈرامہ رچایا گیا تھا"

"وہ کیوں"

"تم جانتی ہو نتھو میرا ہمدرد تھا۔ جب میں سیٹھوں کے کئی آدمیوں کو قتل اور زخمی کر کے گاؤں سے بھاگا تو میں سیدھا کانپور پہنچا۔ وہاں میرے پتا جی کے ایک دوست رہتے تھے انہیں سب باتوں کا علم ہو چکا تھا اور انہیں بہت دکھ تھا۔

جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ میں نے انہیں سارے حالات بتا دیئے۔ وہ سنکر پریشان ہوئے

اور بولے "بیٹا جس شخص کو جہنم رسید کرنا تھا وہ لا ابھی زندہ ہی ہے"
پتہ یا وہ ہیموں سے اتنے جلے ہوئے تھے کہ انھوں نے کہا کہ اگر تم اس کو ٹھکانے نہ لگا سکے تو میں اسکا بندوبست کر دوں گا۔ میں نے ادب سے کہا
" چاچا جی آپ کو کشٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اب آپ بزرگ آدمی ہیں۔ آپ یہ کام میرے ہی سپرد کر دیں۔ جب بھی میرے ہاتھ لگے گا میں اس بدمعاش کو جہنم میں پہنچا دوں گا" یہ سن کر وہ خاموش ہو رہے۔
نقتو میرے پاس کانپور میں آتا رہا۔ اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ہیموں نے اپنی حفاظت کے لیے حکومت سے پولیس کی مدد حاصل کر لی ہے۔ اب تم جانتے ہو کہ پولیس کی موجودگی میں اس سے انتقام لینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔
اسی اثنا میں ایک شخص میرے پتاجی کے اس دوست کے ہاں آکر ٹھہرا۔ وہ بہت دکھی معلوم ہوتا تھا اس نے ایک رات ریوالور سے خودکشی کر لی۔ میں نے اپنے پتاجی کے دوست سے کہا
"اس کا نام و پتہ میرا ہی لکھوا دیجیے۔ اس سے ایک تو پولیس میرا پیچھا کرنا چھوڑ دے گی۔ دوسرے جب ہیموں کو اس بات کا پتہ چلے گا تو وہ پولیس کی مدد لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا اور اس طرح سے مجھے اسے ٹھکانے لگانے کا موقعہ مل جائیگا۔"
پتاجی کے دوست مان گئے۔ انھوں نے خودکشی کرنے والے کا نام روی... باپ کا نام چند کانت اور مکان جبل پور (یو۔ پی) پولیس کے کاغذات

میں لکھوا دیا۔ پولیس نے تفتیش شروع کر دی اور اسے پتہ چلا کہ روی کئی آدمیوں کو قتل کر کے بھاگا ہوا تھا اور اس نے سزا سے بچنے کے لئے خودکشی کر لی۔

اس اثنا میں نتھو میرے پاس آ گیا۔ اس نے اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ اور کہا، "کہ ہمیں کو کسی نہ کسی طرح یہ بتا دو کہ روی نے خودکشی کر لی ہے تاکہ وہ پولیس کی حفاظت کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ نتھو نے یہی کیا اور اس نے دو مہینے کے بعد پولیس کو جانے کی اجازت دے دی۔ نتھو نے مجھے اطلاع دی کہ اب پولیس کے آدمی جمال پور سے جا چکے ہیں۔

اسی دوران میں نے ایک ٹولی تیار کر لی تھی اور گھاٹی میں مسکن بنایا تھا۔ جب نتھو کی زبانی مجھے اصل حالات کا علم ہوا تو میں نے رات کو ہی اس کا مکان گھیر لیا۔ اس کے بعد اس پر اور اس کے کمین بیٹے پر جو حملہ ہوا وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہو۔"

یہ کہتے ہوئے روی نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بولا "مجھے یہ ناگوار فرض اس لئے ادا کرنا پڑا کہ میں لوگوں کو اس کے ظلم سے بچانا چاہتا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ میری اس کارروائی میں انتقام کے جذبہ کو بھی دخل ہو۔ کیونکہ اس نے نمک حرامی کا ثبوت دیتے ہوئے میرے گھرانے کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ میرے تایا جی کو پھانسی کی سزا ہو گئی۔ اور پھر ماتا جی اس کے

ہاتھوں ہلاک ہوئیں۔

مگر اصل بات یہ ہے کہ میں انسانی سماج کو ہیموؤں سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ نہ جانے اب تک کتنے ہیموں ختم ہو چکے ہیں اور کتنے اور ختم ہوں گے جب تک میں زندہ ہوں اس نیک کام کو جاری رکھوں گا۔

دنیا کی نظروں میں میں ڈاکو ہوں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ میں سماج کے ڈاکوؤں کو ختم کر کے مظلوموں کی دستگیری کر رہا ہوں۔"

رودی بات ختم کر کے خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں زمین پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی قوت فکر ماضی کے دھندلکوں کو کھنگال رہی تھی۔

زمینداری، زمانہ۔ زمینداریوں کی تنسیخ کا نفاذ خبد رکاشت کا زوال۔ ہیموں کا اقتدار۔ اور اس کی وجہ سے زمیندار گھرانے کی تباہی۔ یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے اس کے ذہن کے پردے پر منعکس ہو گئیں اور آخر میں اس نے اپنے آپ کو ایک ڈاکو کے روپ میں دیکھا۔

ان ساری باتوں پر غور کرنے کے بعد جب اس نے نظریں اٹھائیں تو بشا وہاں موجود نہ تھی۔ وہ اپنے روزمرہ کے کام کاج میں مصروف ہو چکی تھی۔

وہ وہیں بیٹھا بیٹھا انہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ ایک ڈاکو

اس کے پاس آیا۔ اور ادب سے سر جھکاتا ہوا بولا
"بھیا! ایک بوڑھا سا آدمی آیا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے"
"کہاں ہے وہ"
"میں نے اندر اسکو بٹھا دیا ہے۔"
رودی یہ سن کر گھر کے اندر چلا گیا ایک جگہ ایک بڈھا بیٹھا تھا وہ رودی کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا
"کیا آپ رودی جا ہیں"
"ہاں میں وہی ہوں"
بڈھے نے ایک سرد آہ بھری اور بولا "میں نے سنا ہے کہ آپ غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ میں ایک فریاد لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ میری دادرسی کر دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی"
رودی نے عجز سے کہا "کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں"
بڈھا کچھ دیر تک خاموش رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے کچھ تامل کے بعد اس نے کہا
"بیٹا میں ایک غریب کسان ہوں۔ میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب زمینداروں کا دور دورہ تھا اور موجودہ زمانہ بھی دیکھا ہے جسے خدا کے راج کا زمانہ کہتے ہیں۔
مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ زمینداروں اور جاگیرداروں کا دور مرفہ لعیوں کا دور تھا۔ مگر یہ

یہ زمانہ جسے جنتا کے راج کا زمانہ کہا جاتا ہے
رذالت کا زمانہ ہے۔

اقتدار کم ظرف اور کمینوں کے ہاتھوں میں آ گیا
ہے۔ اور غریب جنتا پریشان ہو کر رہ گئی ہے زمینداروں
کے زمانے میں صرف پیٹ بھرنے کو کھانا ہی نہیں ملتا تھا
بلکہ عزت و آبرو بھی محفوظ تھی۔ مگر جنتا کے موجودہ دور میں
نہ کھانے کو ملتا ہے اور نہ بہو بیٹیوں کی عزت محفوظ ہے

یہ سن کر روی کو کچھ شبہ ہوا کہ یہ بڑھا جالپور کی
ہی بات تو نہیں کہہ رہا ہے۔ کیونکہ اس نے جو کچھ کہا
تھا وہ سب جالپور میں بیت چکا تھا۔

بڈھے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا، بیٹا گاؤں
کا نام "کھنڈوری" ہے۔ پہلے یہ گاؤں ایک زمیندار
کی ملکیت تھا۔ اب اس کی ساری زمین گاؤں کے
کسانوں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ مگر عملاً یہ زمین ان کی
ملکیت نہیں ہے کیونکہ اب بھی اس کا لگان وصول کیا
جاتا ہے۔

پہلے زمیندار وصول کرتا تھا۔ اب سرکاری افسروں
کا ایک خوشامدی چمچہ وصول کرتا ہے۔ گاؤں والوں
کی بہو بیٹیوں کی جو بے آبروئی ہوتی ہے۔ وہ اس کے علاوہ
ہے۔

کوئی نوجوان لڑکی اس بدمعاش اور اس کے ساتھیوں

کی عیاشیوں سے نہیں بچی۔

بیٹا! اب میری بچی ان بدمعاشوں کی نظروں میں کھٹک رہی ہے۔ میں نے یہ سنا ہے کہ وہ آج رات میری بیٹی کو اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اگر آپ میری مدد کر سکتے ہیں تو میں ساری عمر دعائیں دیتا رہوں گا اور اگر نہ کر سکیں تو آپ سے کوئی گلہ نہیں۔

روی بڈھے کی باتیں سن کر بے حد حیران ہوا کہ ہر جگہ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کیا لوگ تنتر کے نام پر کمینوں نے غریبوں کی بہو بیٹیوں کی عزت سے کھیلنا شروع کر دیا ہے کیا یہی وہ زمانہ ہے جب گاندھی جی کا زمانہ نزدیک کہا جاتا ہے روی سر جھکائے اسی قسم کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔

"بیٹا میرا خیال ہے کہ آپ شاید میری مدد نہ کر سکیں اچھا مجھے آگیا دیجیے۔"

روی نے بڈھے کو ہاتھ سے پکڑ کر بٹھا لیا اور بولا "میں ضرور آپ کی مدد کروں گا۔ میں نے انکار تو نہیں کیا"

"لیکن بیٹا تمہاری خاموشی سے تو میں یہی سمجھا۔"

"نہیں یہ بات نہیں میں کچھ سوچ رہا تھا۔"

"بیٹا میں بہت بڑی آس لے کر یہاں آیا ہوں۔"

"بڑے صاحب! ویسے تو غریبوں اور ضرورتمندوں کی مدد کرنے والے بھگوان ہی ہیں۔ میں تو صرف ایک

وسیلہ ہوں۔ مگر یقین نہیں۔ جہاں تک ہو گا میں آپ کا پورا پورا ساتھ دوں گا۔ ہاں تو کیا آپ آج رات خطرہ محسوس کرتے ہیں۔

"ہاں بیٹا سنا تو ایسا ہی ہے"

"آپ کا گاؤں یہاں سے کتنی میل دور ہے"

"یہی کوئی پچیس ۲۵ کوس دور ہو گا"

"کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ اطمینان کے ساتھ کھانا کھائیے۔ پچھلے پہر یہاں سے چلدیں گے"

بڈھے کو اطمینان ہو گیا۔ کچھ دیر بعد سب نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ اور سستانے کے لئے لیٹ گئے۔ ابھی سورج کے غروب ہونے میں کوئی ایک گھنٹہ باقی تھا کہ روی اور اس کے ساتھی ڈاکو گھوڑوں پر سوار ہو کر چلدیئے

وہ بڈھا ایک گھوڑے پر سوار ان کے آگے آگے تھا۔ یہ لوگ گھوڑے دوڑاتے ہوئے کوئی رات کے گیارہ بجے گاؤں کے پاس پہنچ گئے۔ بڈھے نے گھوڑا روکتے ہوئے سامنے کی طرف اشارہ کیا اور بولا

"وہ سامنے ہمارا گاؤں ہے بس یہاں سے کوئی دو فرلانگ ہو گا"

سامنے چراغ جلتے ہوئے نظر آرہے تھے روی گھوڑے سے اتر کر کھڑا ہوا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"گھوڑے یہیں چھوڑ دو۔ دو آدمی گھوڑوں کے پاس رہیں۔ اور باقی میرے ساتھ گاؤں چلیں۔

سب ڈاکو گھوڑوں سے اترے۔ انھوں نے گھوڑوں کی رسیاں آس پاس کے درختوں سے باندھ دیں۔ دو ڈاکو ان کی حفاظت کے لئے وہیں رک گئے۔ اور باقی دبے پاؤں گاؤں کی طرف چلد یئے۔

وہ بڈھا ان کے آگے آگے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ جب وہ گاؤں میں گھسے تو وہاں سناٹا تھا۔ گاؤں کی گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ وہ بڈھے کے پیچھے پیچھے ایک گلی میں گھسے

وہاں کتوں کی آوازوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک کتا ان لوگوں کو دیکھتے ہی ان کی طرف لپکا اور بھونکنے لگا۔ بوڑھے نے اسے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا

"ڈبو چپ رہو"

کتا چپ ہو گیا اور دم ہلاتا ہوا بڈھے کے پیچھے چل دیا۔ بڈھا نزدیک ہی کے ایک مکان میں گھس گیا اس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔

سب تول تول کر قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے جب وہ مکان کے اندر پہنچے۔ تو ایک بڑھیا

ایک کوٹھڑی میں سے نکلی اور بڈھے کے پاس آکر بولی "جھپوں کے باپو ابھی رتو کی ماں آئی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ جھمن اب یہاں پہونچنے والا ہے اس کے غنڈے مکان پر دھاوا بولنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں میں نے جھپوں کو سامنے کے چھپر کے نیچے چھپا دیا ہے۔"

بڈھے نے اطمینان کے لہجے میں کہا۔ "اب تم فکر نہ کرو۔ وہ بدمعاش ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

بڑھیا نے کہا۔ "کوئی گھنٹہ بھر ہوا جھمن نے ایک عورت کے ہاتھ کہلایا تھا کہ اگر تم سیدھی طرح سے جھپوں کو ہمارے مکان پر بھیج دو تو بہتر ہوگا۔ ورنہ تمھاری خیر نہیں۔ میں نے ڈرتے ہوئے کہا جھپوں کے باپو نے کھیتوں کو پانی لگا رکھا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔ میں ان کو جھمن کا پیغام پہنچا دوں گی۔"

بڈھے نے کہا۔ "چنتا کرنے کی ضرورت نہیں بھگوان ہماری سہاتا کریں گے۔"

روی۔۔۔ اپنے ساتھیوں سمیت چپکا کھڑا اس بڑھیا کی باتیں سن رہا تھا۔ بڈھے نے روی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں آپ سب کو باہر کے دروازے کے نزدیک کی ایک کوٹھڑی میں چھپا دیتا ہوں۔ جب وہ لوگ گھر کے اندر آجائیں گے تو میں ان کو باتوں میں لگا دوں گا پھر آپ

اپنا کام کر سکتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے بڈھے نے دوبی کے ساتھیوں کو باہر کی ایک کوٹھری میں چھپا دیا اور خود بڑھیا سمیت سامنے کے دالان میں چلا گیا۔ کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد کسی نے باہر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

بڈھے نے اندر سے کہا "بھئی کون ہے"

باہر سے ایک کرخت آواز آئی "لکھمن سنگھ ہے اور کون ہو سکتا ہے"

"سرکار رکیئے ابھی دروازہ کھولتا ہوں"

تھوڑی دیر کے بعد بڈھے نے جا کر باہر کا دروازہ کھولا۔ باہر لکھمن اپنے پانچ چھ غنڈوں کے ساتھ کھڑا تھا بڈھا دروازے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور بولا

"آئیے اندر آ جائیے"

لکھمن اپنے ساتھیوں سمیت مکان میں داخل ہو گیا وہ بہت زیادہ پیئے ہوئے تھا اور اس کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی تھی۔ بڈھے نے انہیں دالان میں لے جا کر چارپائیوں پر بٹھایا اور بولا

"سرکار آپ نے آنے کا کیسے کشٹ کیا"

لکھمن نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجہ میں کہا

"بڈھے تمھیں میرا پیغام نہیں ملا تھا۔ تھیوں کو تم نے کیوں

نہیں بھیجا۔

بڈھے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا سرکار میں ابھی ابھی کھیتوں سے آیا ہوں اور جھبوں کی ماں نے بتایا ہے کہ آپ کا کوئی پیغام ملا تھا۔

لچھمن نے غصہ سے کہا۔ "پھر جھبوں کو میرے ساتھ بھیجے ہو یا نہیں۔"

بڈھے نے منت کرتے ہوئے کہا۔ "سرکار ہم تو آپ کی پرجا ہیں۔ انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے مجھے کچھ سیوا کرنے کا موقعہ دیجیئے۔"

"کوئی سیوا نہیں ہے۔ بس سیدھی طرح سے جھبوں کو میرے ساتھ بھیج دو۔ یہی تمھاری سیوا ہے۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمھارے حق میں اچھا نہیں ہوگا ____ ہاں تو وہ لونڈیا ہے کہاں" لچھمن نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا

بڈھے نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "سرکار وہ آپ کے لیئے دوسری کوٹھری میں دودھ گرم کر رہی ہے اس سیونک کے ہاں سے تھوڑا سا دودھ تو پی لیجیئے اور کوئی زیادہ سیوا تو میں کر نہیں سکتا"

لچھمن نے مغرورانہ انداز میں کہا۔ "نہیں ہم دودھ نہیں پئیں گے بس جھبوں کو جلدی سے بلا دو"

بڈھے نے کچھ یاس انگیز لہجہ میں کہا۔ "بہت اچھا سرکار" وہ اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا ہی تھا کہ کمرے کے

دروازے پر دستک ہوئی۔ بڈھے نے خوف زدہ آواز میں کہا "بھئی کون ہے"

باہر سے ایک بھاری آواز نے کہا۔ "ڈاکو"

یہ سنتے ہی لچھمن اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اتنے میں پٹ سے دروازہ کھلا۔ اور روی ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھی تھے۔ انھوں نے اپنی رائفلیں تان رکھیں تھیں

یہ منظر دیکھ کر لچھمن اور اس کے ساتھی سہم کر ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے۔ روی نے خوفناک آواز میں کہا

"بڈھے اس گھر کا مالک کون ہے"

بڈھے نے بظاہر کانپتے ہوئے کہا "حضور مالک تو بھگوان ہی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس مکان میں رہتا ہوں"

"اور یہ لوگ کون ہیں"

"حضور یہ ہمارے سرکار لچھمن سنگھ جی ہیں۔ گاؤں کے مالک ہیں اور یہ دوسرے ان کے ساتھی ہیں"

"یہ اس وقت یہاں کیوں آئے ہیں"

"حضور یوں ہی آ گئے ہیں میرا دل اچھا نہیں تھا۔ بس پوچھنے کے لئے آ گئے۔"

روی نے لچھمن کی کلائی پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اور غصہ سے بولا "ارے یہ بدمعاش تو شراب پیئے ہوئے ہے۔ اس کے منہ سے

بدبو آرہی ہے"

بھیمن نے کانپتے ہوئے کہا۔ حضور کبھی پی تو نہیں۔ آج ایک دوست نے زبردستی پلادی"

روی نے ایک غنڈے کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا اور بولا

"سچ کہو یہاں کیوں آئے تھے"

غنڈہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "سرکار مجھے کچھ نہ کہیئے۔ میں سب بتادیتا ہوں"

روی رکا اور تانے پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ غنڈے نے کانپتے ہوئے کہا "حضور ہم اس بڈھے کی بیٹی کو اٹھانے کے لیے آئے تھے۔ بڈھے نے آپ کو صحیح بات نہیں بتائی"

"اس کی بیٹی کو اٹھانے آئے تھے۔ کیوں؟"

"حضور یہ بھیمن سنگھ جی ذرا دل لگی کرنا چاہتے تھے"

"کیا یہی کام کرتے ہیں"

"ہاں حضور گاؤں بھر کی لڑکیوں پر ہاتھ صاف کر چکے ہیں صرف بڈھے کی بیٹی چھوڑ رکھی تھی۔ آج اس کی عزت لینا چاہتے تھے۔"

غنڈے کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور وہ باتیں کر رہا تھا۔ بھیمن اور دوسرے غنڈے خوف سے تھرتھر کانپ رہے تھے۔

روپی نے مکھن کو کمرے کے بیچ میں گھسیٹ لیا اور چیختا ہوا بولا۔

"تو گویا تو گاؤں والوں کی بہو بیٹیوں کی بے آبروئی کرتا ہے" یہ کہتے ہوئے روپی نے ریوالور کی نال اس کے سینہ پر رکھ... دی۔

مکھن نے منت کرتے ہوئے کہا، "حضور اس دفعہ معاف کر دیجئے۔ آئندہ یہ حرکت کبھی نہیں کرونگا"

"نہیں تمھارا جرم معافی کے قابل نہیں ہے" یہ کہتے ہوئے روپی نے ریوالور داغ دیا اور گولی مکھن کے دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا روپی نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے رائفلوں کے کندوں سے سارے غنڈوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا، انھوں نے معافی مانگی کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ روپی نے پھر کہا

"بس یہاں سے چل دو اب یہاں سے سیدھے اپنے ٹھکانے پر پہنچو۔ کسی کو ہمارے یہاں آنے کی خبر نہ ہو۔ اگر تم نے باہر جا کر شور مچایا۔ تو تمھاری خیر نہیں۔ تمھارا حشر بھی وہی ہوگا۔ جو اس بدمعاش کا ہوا ہے"

یہ کہتا ہوا روپی ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور

غنڈے لڑکھڑاتے ہوئے .... کمرے سے نکلے اور رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔
روی نے چھمیں کی طرف دیکھا
اتنے میں ایک نوجوان لڑکی خوف سے کانپتی ہوئی اندر داخل ہوئی
روی نے چراغ کی روشنی میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ لتا تھی۔ وہی لتا جو ناراض ہو کر گھر سے چل دی تھی۔ لتا بھی اسے پہچان گئی اور اس کے پاؤں گرتی ہوئی بولی۔

"آپ"

روی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا ـــــ

"ہاں میں ہوں، تمہارا روی"
بڈھے اور بڑھیا کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی
بڈھے نے کہا۔
"بیٹا یہی ہماری بیٹی چھموں ہے"
لتا نے کہا "ہاں یہ میرے باپو ہیں۔ انہی کے یہاں میں نے پناہ لی۔ اگر آپ آج نہ آتے تو نہ جانے کیا قیامت ٹوٹ پڑتی۔"
بڈھا حیرت سے کبھی روی کی طرف دیکھتا اور کبھی لتا کی طرف۔

روی نے جلدی جلدی اسے تمام واقعہ سنا دیا اور بولا

"بڑے صاحب! آپ تو ان کا نام چھمو بتاتے تھے"

"ہاں ہم دونوں میاں بیوی پیار سے اسے چھمو کہتے ہیں ہمارے یہاں کوئی اولاد نہیں بس اس کو ہم اپنی حقیقی بیٹی سمجھتے ہیں۔

روی نے لتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"پھر اب کیا ہوگا"

لتا اس کا مطلب سمجھ گئی اور بولی

"یہ آپ بابا اور اماں سے پوچھیے"

بڈھے نے اطمینان کے لہجے میں کہا

"ہاں بیٹی تم ان کے ساتھ جا سکتی ہو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ میں یہ کہہ دوں گا کہ ڈاکو میری بیٹی کو لے گئے ہیں۔ اس سے میں بھی بچ جاؤں گا۔ ورنہ پولیس مجھے پکڑے گی اور وہ یہی سمجھے گی کہ میں نے ہی ڈاکوؤں کو بلا... رکھا تھا تمہارے جانے کے بعد میری جان بچ سکتی ہے"

روی نے بڈھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"بڑے صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اتنی مدت تک لتا کی دیکھ بھال کی۔ اور اسے اپنی بیٹی کی طرح رکھا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس... کا معاوضہ دینے کو تیار ہوں"

بڈھے نے کہا:۔

"مجھے معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ یہ معاوضہ کچھ کم ہے

کہ میری عزت بچ گئی ہے۔ بس اب بہتر یہی ہے
کہ آپ جلدی سے چلے جائیں۔ باقی جو کچھ ہو گا،
دیکھا جائے گا۔"

"اگر آپ کو کچھ تکلیف ہو تو آپ مجھے اطلاع
دے سکتے ہیں۔ میں آپ کی پوری پوری مدد کرنے کی کوشش
کروں گا۔ ہمارا ٹھکانہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔"

"ہاں بیٹا اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو میں ضرور تمہیں
اطلاع دوں گا۔ لیکن اب جلد یہاں سے۔"

روی نے تھمین پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اس
کی لاش زمین پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ پھر اس نے
بڈھے اور بڑھیا سے اجازت لی اور لیتا کو،
لے کر مکان سے نکل گیا۔ اس کے ساتھی اس
پیچھے پیچھے تھے۔

وہ سنسان گلیوں میں سے ہوتے ہوئے
باہر نکل گئے۔ جہاں ان کے گھوڑے تھے۔ سب گھوڑوں
پر سوار ہوئے اور گھاٹی کی طرف چل دیئے۔

لیتا روی کے پیچھے گھوڑے پر جا رہی تھی۔ وہ گھوڑا
دوڑاتی ہوئی روی کے پاس پہنچ گئی اور مسکراتی ہوئی بولی

"آپ نے کیا دھندہ شروع کر رکھا ہے"

"یہ شریفانہ دھندہ ہے اس کے طفیل تمہاری عزت
بچ گئی۔ آج کل کے سماج میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ تم نے دیکھ

ہی لیا ہے - اب سر لیف آدمی یہ دھندہ نہ کریں تو کیا کریں ـــــ"

یہ کہتے ہوئے روی ہنسنے لگا اور فضا اس کے قہقہوں سے گونج گئی۔

سب گھوڑے دوڑاتے ہوئے کوئی تین چار گھنٹوں میں اپنے ٹھکانے پہ پہونچ گئے۔

گپھا میں مشعلیں روشن تھیں - پشپا جاگ چکی تھی - اور ان لوگوں کے آنے کی منتظر تھی - جب اس نے لتا کو دیکھا تو وہ حیرت سے بولی

"دیدی تم"

لتا نے روی کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا وہ اس کا مطلب سمجھ گیا اور بولا

"میں سب کچھ سن چکا ہوں - اب تمھیں پشپا سے شکایت نہیں ہوگی۔ یہ میری بہن ہے"

پشپا لتا سے لپٹتی ہوئی بولی

"دیدی میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں - واقعی میں قصوروار ہوں - میری وجہ سے آپ کو بہت کشٹ ہوا ـــــــــــ

مجھے گمراہ کیا گیا تھا - سب کچھ آپ کو بھیا بتا دیں گے"

"یہ کہتے ہوئے لیشا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

لتا نے مسکراتے ہوئے کہا

"ارے تم رو کیوں رہی ہو"

"میری ندامت مجھے رلا رہی ہے آپ مجھے یہ بتائیے کہ کیا آپ نے مجھے معاف کر دیا۔

"ہاں ہاں میں نے تمہیں معاف کر دیا" یہ کہتے ہوئے لتا نے اسے سینہ سے لگا لیا۔



ختم شد

۱۹۶۷ء کے درمیان ملک میں عام انتخابات ہوئے تو برسر اقتدار سیاسی پارٹی کئی صوبوں میں الیکشن ہار گئی اور وہاں دوسری سیاسی پارٹیوں نے حکومتیں بنائیں (اسے پیشین گوئی سمجھا جائے)۔ یوپی بھی ان صوبوں میں سے ایک تھا۔

یہاں سوشلسٹ مزاج رکھنے والی ایک سیاسی پارٹی کامیاب ہوئی۔ اس نے اس صوبہ میں حکومت قائم کی۔ گذشتہ حکمراں پارٹی کے ناکام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ دیسے تو وہ اپنے آپ کو سوشلسٹ کردار کی حامل بتاتی تھی۔ مگر اس نے گذشتہ اٹھارہ انیس سال کے عرصہ میں اپنے غیر سوشلسٹ ہونے کا ثبوت دے دیا۔ آن پڑھ اور خود غرض لوگ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں پہونچ گئے۔ بڑے بڑے عہدے دار نالائق قسم کے سفارشی امور کئے گئے۔

مہاتما گاندھی کے نام ونہاد نام لیواؤں نے کروڑوں روپے کی جائیداد پیدا کرلی۔ حالانکہ حصول آزادی سے پہلے

ان میں سے اکثر ایسے تھے۔ جو عزبت .... میں اپنے دن گذارتے تھے۔ انھوں نے تو اپنے آپ کو کروڑپتی بنا لیا مگر دوسروں کو فاقہ مست بنا کر رکھ دیا۔

ملک کے زمینداروں پہ یہی کچھ بیتی ان میں سے کچھ برے ہوں گے اور اپنے مزدوروں کو پریشان کرتے ہوں گے۔ مگر سارے تو ایسے نہیں تھے۔ مگر حکومت نے قانون تنسیخ زمینداری کی لاٹھی سے سب کو ہانک دیا اور ان لوگوں کو غریب کسانوں پر مسلط کر دیا۔ جو حرص و ہوس کے غلام، خوشامدی اور لالچی تھے

انھوں نے کسانوں کی زندگی عذاب میں ڈال دی۔ کہنے کو اس قانون کی وجہ سے کسان بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی گرفت سے آزاد ہو چکے تھے۔ مگر در اصل ان پہ رذیلوں اور کم ظرفوں کو لاد دیا گیا تھا۔ اور ان کی حالت اور بھی خراب ہو گئی تھی۔ اگر حکمران ٹولی کا مطمح نظر سوشلزم ہی ہوتا تو پھر وہ بڑے بڑے صناعوں۔ تاجروں اور کارخانہ داروں کے لیے بھی کوئی قانون بناتی۔ مگر ان کی رسی کو اور دراز کر دیا گیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے منافع خوری، سمگلنگ اور چور بازاری سے کروڑوں روپے پیدا کیے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ خود حکمران پارٹی کا تعلق ان سرمایہ داروں سے تھا

ان میں سے اکثر ایسے تھے۔ جو ان کے کاروبار میں حصہ دار تھے۔
اب کوئی یہ بتائے کہ وہ کس قسم کا سوشلزم تھا۔ جو ہندوستان
میں مروج کیا گیا تھا۔ اگر سوشلزم کا مطلب یہی ہے کہ درجہ
اور مقام کے لحاظ سے سب یکساں ہیں۔ (حالانکہ سوشلزم
اس کی نفی کرتا ہے۔ سوشلزم کا مقصد یہ ہے کہ سب کو
ان کے مقام درجہ تعلیم اور قابلیت کے لحاظ سے مناسب
مواقع میسر رہے) تو پھر سوشلزم کی تلوار کا وار ہر قسم
کے سرمایہ داروں پر ہونا چاہئے تھا۔ اکیلے زمینداروں کو ہی
اس کیلئے کیوں چن لیا گیا اور دوسرے بڑے بڑے کالے چوروں
اور منافع خوروں کو کیوں لوٹ مار کرنے کی کھلی چھٹی دے
دی گئی۔

محض ان سرمایہ داروں کو فائدہ پہنچانے کے لیئے
حکمران پارٹی کی تمام توجہ ملک کی صنعتی ترقی پر مرکوز ہو کر رہ گئی
کھربوں روپے کا زرو مبادلہ غیر ممالک سے حاصل کیا گیا
اور ملک کو اس حد تک مقروض کر دیا گیا کہ
آئندہ ایک سو سال تک بھی غیر ملکی قرضوں سے
نجات نہیں پا سکتا۔

زمینداریوں کی تنسیخ کو زرعی ترقی سے چشم پوشی
کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں اناج کی کمی ہو گئی۔ اور
ہر سال لاکھوں ٹن اناج باہر سے منگوانا پڑا حالانکہ
ہندوستان ہر دور اور ہر زمانہ میں ایک زرعی ملک رہا ہے

اسے کبھی دوسرے ملک سے اناج منگوانے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ وہ اناج برآمد کرتا رہا ہے حکمران پارٹی کی کوتاہیوں اور خود غرضیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دیوالیہ ہو گیا۔ ملک میں قحط کے سے حالات پیدا ہو گئے اور لوگ بھوک سے مرنے لگے۔

ایسے حالات میں مہاتما گاندھی کے نام لیواؤں کی توقیر ختم ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب عوامی انتخابات ہوئے تو وہ کئی صوبوں میں ہار گئے۔ اور وہاں دوسری پارٹیوں نے حکومتیں بنائیں۔

یوپی کی حکومت نے گذشتہ حکمران پارٹی کی کمزوریوں کا جائزہ لیا اور اس بات پر غور کیا کہ تلافی کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ اس نے زمینداریوں کی تنسیخ کے قانون کو منسوخ کر دیا۔ اور زمینیں ان کے اصل مالکوں کے حوالے کر دیں۔

اکثر زمیندار اور ان کے لواحقین روبی کی طرح سماج کے خلاف بغاوت کرنے کی غرض سے ڈاکوؤں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ موجودہ حکمران پارٹی کے ایما سے مرد و زن کارکن ان ڈاکوؤں کے پاس پہنچے اور انہیں اس بات کے لئے آمادہ کیا۔ کہ وہ دوبارہ انسانی سماج میں بس جائیں۔

پیشہ ور مجرموں کو چھوڑ کر سب نے ڈاکہ زنی کے

کے بیٹے کو ترک کرنا منظور کر لیا۔ اس کے بعد صوبائی حکومت نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ روی لتا اور لیشپا سمیت جمال پور آ گیا۔ اور اپنی کوٹھی میں رہنے لگا

اب گاؤں میں پہلے کی بہ نسبت سکون تھا۔ کیونکہ نہ کوئی نمک حرام ہیوں موجود تھا اور نہ راجندر۔ سب لوگ محنت سے اپنا کام کرتے تھے اور ان سے واجبی لگان وصول کیا جاتا تھا۔

اسی اثناء میں روی اور لتا کی شادی ہو گئی۔ کئی دن تک گاؤں میں جشن منائے جاتے رہے روی نے کسانوں میں انعامات تقسیم کئے۔

اب پھر رات کے وقت روی کے مکان پر محفلیں جمنے لگیں۔ روی غور سے کسانوں کی شکایات سنتا اور ان کی مدد کرنے کے لئے تیار رہتا۔ دوپہر کھانے کے بعد گاؤں بھر کی عورتیں اپنے چرخے لے کر روی کے محل پہونچ جاتیں۔۔ کام اپنا کرتیں اور ناشتہ روی کے یہاں کرتیں۔

لتا ان کی خاطر مدارات کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی۔ اس کا ہاتھ بھی اپنی ساس اور شاردا کی طرح بہت کھلا تھا۔ وہ ہر ایک کی مدد کرتی۔

ایک رات محفل جمی ہوئی تھی کہ روی نے راموسے

کہا۔

"رامو چاچا گاؤں میں کوئی پڑھا لکھا لونڈا ہے۔"

رامو نے کہا

"ہاں چھوٹے سرکار!... کچھ پڑھے لکھے لونڈے گاؤں میں موجود ہیں۔ لیکن بات کیا ہے"

"مجھے پڑھے لکھے کا لونڈوں کی ضرورت ہے"

رامو نے شکوک کی نظروں سے روی کی طرف دیکھا اور بولا

"تو کیا چھوٹے سرکار آپ کوئی اور سمیوتیاد کرنا چاہتے ہیں"

یہ سن کر سب ہنس پڑے۔ روی نے ہنستے ہوئے کہا

"بھئی سارے ہی تم کم ظرف اور نمک حرام نہیں ہوتے"

"آپ کا کہنا بجا ہے مگر آپ کے خاندان پر جو بیتی اور خود جس جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس سے تو یہی سبق ملتا ہے کہ آپ بڑے سرکار کی طرح کوئی غلطی نہ کریں یہ آپ کی مہربانی کیا کچھ کم ہے کہ آپ ہماری ہر ممکن مدد کرنے کیلئے تیار ہیں۔ واجبی لگان وصول کرتے ہیں ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں لیکن اگر آپ نے کارخانے کھولنے شروع کر دیئے یا کم ظرفوں اور کمینوں کی اولاد کو گود لینا شروع کر دیا تو شاید آپ پھر نقصان اٹھا جائیں۔

اس پر ایک اور قہقہہ پڑا اور روی بھی اہل محفل کی ہنسی میں شریک ہو گئی۔